FEBRUARY 2007

ماہنامہ

گوجرانوالہ

فلاحِ آدمیت

Reg: CPL No. 80

فروری 2007

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

صداقت — اللہ — محبت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پروازِ مسلسل
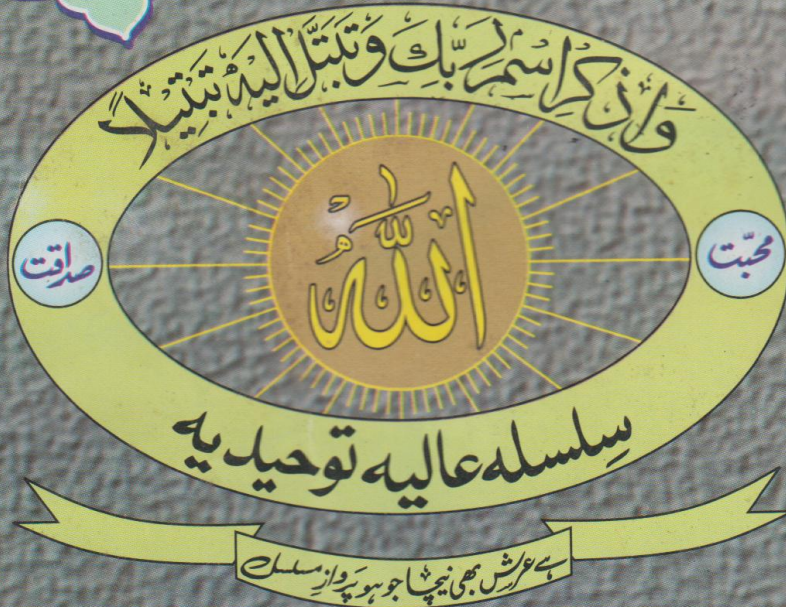
☆ موجودہ دور کے عظیم صوفی اور بانی سلسلہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی تعلیم کا علمبردار۔
☆ رُہبانیت اور شرک سے پاک اور قرآن وسنت کے عین مطابق راہ فقر کی تعلیم کا داعی۔
☆ وحدتِ اُمت، اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت کا ترجمان۔
☆ فرقہ واریت، غصہ اور نفرت ختم کر کے عالمگیر محبت اپنانے کا نقیب۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مرکز تعمیر ملت. جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

منشور دعوت

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِیْفَةً

وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ

وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ ط

الاعراف - 205

ترجمہ

اپنے رب کو اپنے دِل میں عاجزی اور ڈر کے ساتھ، اُونچی آواز نکالے بغیر، صبح وشام یاد کرو۔ اور غافلوں میں سے نہ ہونا۔

بیادگار **خواجہ عبدالحکیم انصاری** رح
بانی سلسلہ

نگران وسرپرست
محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

جلد 10 شمارہ 5 فروری 2007ء محرم 1428ھ

قیمت ———— -/20 روپے
سالانہ فنڈ ———— -/200 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:
محمد صدیق ڈار توحیدی
مرکز تعمیر ملت نزد وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph:055-3862835
Mob: 0300-6493335

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:
وحید احمد
تھانہ روڈ بلدیہ مارکیٹ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ
Ph:055-3881379
Mob:0300-7409533

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراجدین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-55-4222020
E-mail: tohidia@hotmail.com

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

مضمون	مصنف	صفحہ نمبر
درس قرآن	ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰؒ	1
اسلامی اخلاقیات کے چار مراتب	مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ	12
روحانی کیفیات	توحیدی سالک کا خط	18
باباجی کے ساتھ ساتھ	محمد یونس ہاشمی	21
خواجہؒ کے خطوط	ترتیب وتدوین خالد مسعود توحیدی	25
اعجاز انسانیت	عبدالرشید ساہی	27
حرب اسلامی اور دفاع پاکستان	کرنل فضل ربی	35
وصف الکبر	پروفیسر یوسف سلیم چشتیؒ	42
سلطان مراد اور غریب معمار	ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی	49
قرآن خدا کی آواز	مولانا وحید الدین خاں	55

(درسِ قرآن)

نقصان اُٹھانے والے لوگ

(ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰؒ)

اس لئے کہ انسان کی سب سے بڑی غایت اور خواہش اللہ ربُّ العزت سے ملاقات ہے۔ اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَدْ خَسِرَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰہِ حَتّٰی اِذَا جَآءَ تْھُمُ السَّاعَۃُ بَغْتَۃً قَالُوْا یٰحَسْرَتَنَا عَلٰی مَا فَرَّطْنَا فِیْھَا وَ ھُمْ یَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَھُمْ عَلٰی ظُھُوْرِھِمْ اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَo

''نقصان میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے اللہ سے اپنی ملاقات کی خبر کو جھوٹ قرار دیا۔ جب اچانک وہ گھڑی آ جائے گی تو یہی لوگ کہیں گے: افسوس! ہم سے اس معاملے میں کیسی تقصیر ہوئی اور اُن کا یہ حال ہوگا کہ اپنی پیٹھوں پر گناہوں کا بوجھ لادے ہوئے ہوں گے۔ دیکھو کیسا برا بوجھ ہے جو یہ اٹھا رہے ہیں۔'' (الاعراف۔31)

دیکھ لینے کو ترے سانس لگا رکھا ہے
ورنہ بیمارِ غمِ ہجر میں کیا رکھا ہے

زندگی اسی آس پر گزار رہے ہیں کہ اس سے ملاقات ہوگی۔ اس نے ایک جگہ فرمایا کہ اے انسان! تو تکلیفیں جھیل کے، مشقتیں اُٹھا کے اپنے پروردگار کی طرف بڑھ رہا ہے۔ یقین رکھ کہ اس سے ملاقات ہو جائے گی لیکن اس سے بڑا بدنصیب کون ہوگا جس کی منزل ہی نہ ہو اور راہ بھی گم کر چکا ہو اور جب اسے یہ بتایا جا رہا ہو کہ میاں بہت جلد اللہ سے تمہاری ملاقات ہونے والی ہے اور وہ ملاقات جو طے تھی، اب اس کا وقت آنے والا ہے اور وہ اس بات کو سنجیدگی سے سننے، اس پر یقین کرنے اور ملاقات کی تیاری کی بجائے اس کے برعکس حرکتیں کرنے لگے۔ پھر جب اچانک اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا پڑے گا تو اس کی پیٹھ پر سوائے گناہوں کے بوجھ کے اور کیا ہوگا؟

دنیا کیا ہے؟

اس حقیقت کو یوں ظاہر کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالٰی ہے:

وماالحیوۃ الدنیا الا لعب ولھو وللدار الاخرۃ خیر للذین یتقون افلا تعقلونo

''دنیا کی زندگی تو ایک کھیل (تماشا) ہے۔حقیقت میں آخرت ہی کا مقام اُن لوگوں کے لئے بہتر ہے جو زیاں کاری سے بچنا چاہتے ہیں۔پھر کیا تم عقل سے کام نہ لو گے؟'' (الانعام 32)

دنیا کی زندگی کو کھیل اور تماشا قرار دیا گیا۔ یہ بات کائنات کے بارے میں نہیں کہی کیونکہ فرمان باری تعالٰی ہے کہ کائنات کو ہم نے عبث نہیں بنایا ۔تمہاری زندگی ایک فرصت امتحان ہے ، دارالعمل ہے اور اس دارالعمل میں ہم نے تمہیں کچھ کھلونے دیئے ہیں۔ اگر تم ان کھلونوں سے کھیلنے ہی میں زندگی خراب کر لی تو کیا حاصل؟

تمناؤں میں اُلجھایا گیا ہوں
کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں

یہاں اس کھیل تماشے کے لئے لہو ولعب کا لفظ استعمال کیا گیا۔حقیقت میں دنیا ایسے ہی ہے جیسے ایک سیریل ہو' ڈرامہ ہو' تھیٹر ہو۔ دراصل یہاں کوئی بادشاہ نہیں' کوئی وزیر' کوئی امیر اور کوئی غریب نہیں ۔اس ڈرامے میں بادشاہ شاہی لباس پہنتا ہے اور اس کے وہ سارے شاہی ٹھاٹھ باٹھ اور نخرے ہوتے ہیں ۔لیکن اس سے بڑا بیوقوف کون ہوگا جو اپنے آپ کو ایسی حالت میں سچ مچ کا بادشاہ سمجھنا شروع کر دے کیونکہ حقیقت پسند انسان اس کو یہی کہے گا کہ بھئی! تم تو تھیٹر میں کھڑے تھے اور غیر حقیقی کردار ادا کر رہے تھے تم نے اس کو مستقل کیوں جان لیا۔ جب ڈرامہ ختم ہو گیا تو وہ پوشاک اور لباس چھین لیا جائے گا۔ اب تم وہی ہو کیونکہ ڈرامے والی بادشاہت کی اپنی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

پوری زندگی میں ہمیں وقتی طور جو امانتیں سپرد کی گئی ہیں' اگر غور کریں تو ان میں مال' دولت' وزارت' صدارت' امارت یہ تمام چیزیں بالکل ایسی ہی ہیں جیسا کہ ڈرامے یا تھیٹر کے غیر حقیقی کردار۔ جب یہ ڈرامہ ختم ہو گا تو اس ڈرامہ کا موچی' نائی' تیلی اور ایک صدر مملکت میں کوئی فرق نہیں ہو گا۔ جب قبر میں جائیں گے تو یکساں ہوں گے۔ ایک ہی جیسے کفن میں لپٹے ہوئے ۔میر

تقی میر نے اس بارے میں کیا خوب کہا ہے۔

کل پاؤں ایک کاسہ سر پر جو آ گیا
یکسر وہ استخوان شکستوں سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر!
میں بھی کبھی کسی کا سر پُر غرور تھا

اس ڈرامے میں وہ شخص جو وزیر بنا اور اس نے سمجھا کہ وزارت ہی مستقل چیز ہے یا پھر کوئی شخص امیر بنا اور اس نے سمجھا کہ امارت ہی مستقل چیز ہے تو شوہ اتنا بیوقوف ہے جتنا کہ وہ شخص جو تھیٹر میں کھڑے ہوئے بادشاہ کا رول ادا کرتے ہوئے اپنے آپ کو ہمیشہ کے لئے بادشاہ جان لے۔ فرمایا کہ یہ زندگی تو عارضی سا سودا ہے آج ہے' کل نہیں ہوگی۔ یہ تو لہو ولعب ہے۔ اس لئے کہ ہم اس کھیل کے ذریعے سے تمہاری صلاحیتوں کو دیکھنا چاہتے ہیں کہ ان میں سے پلٹ کر تم ہماری طرف کیسے آتے ہو۔ اور پھر فرمایا کہ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔

حقیقی زندگی اور حضورؐ کا ترانہ

مجھے یہاں حضور اکرم ﷺ کا ترانہ یاد آیا۔ آپ مسجدِ نبوی کی تعمیر کرا رہے تھے۔ گارا اور پتھر ڈھوتے ہوئے حضورؐ اور صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین یہ پڑھتے جاتے۔

اللهم لا عيش الا عيش الاخرة

''اے اللہ! زندگی تو صرف آخرت ہی کی زندگی ہے۔''

اور حضور اکرم ﷺ نے بھی اس میں اپنی آواز ملا کر یوں فرمایا:

فاغفر للانصار۔ والمهاجرة

''اے اللہ! انصار اور مہاجرین دونوں کو بخش دے۔''

تو جینا تو دراصل وہ جینا ہے جب ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں پہنچیں گے۔ اُس کے قرب میں رہیں گے، اُسے دیکھیں گے کیونکہ اصلی زندگی تو محبوب کے قرب میں رہنا ہے۔ زندگی تو وصال کی زندگی ہے۔ بھلا فراق اور ہجر کی زندگی بھی کوئی زندگی ہے؟ یہ تو جتنی جلدی بیت جائے' اسی قدر اچھا ہے۔ اس کو سب کچھ نہیں سمجھنا چاہیے۔ اس خود فریبی سے نکالنے اور حقیقت سے آگاہ کرنے کے لئے سابقہ اقوام کا ذکر یوں فرمایا:

ولقد ارسلنا الی امم من قبلك فاخذنهم بالباساء والضراء لعلهم يتضرعون o

فلولا اذا جاء هم باسنا تضرعوا ولكن قست قلوبهم وزين لهم الشيطن ماكانو ا يعملون o

فلما نسوا ماذكروا به فتحنا عليهم ابواب كل شيء حتى اذا فرحوا بمااوتوا اخذنهم بغتةفاذا هم مبلسون o

فقطع دابرالقوم الذين ظلموا

''تم سے پہلے بہت سی قوموں کی طرف ہم نے رسول بھیجے اوران قوموں کومصائب وآلام میں مبتلا کیا۔تا کہ وہ عاجزی کے ساتھ ہمارے سامنے جھک جائیں۔پس جب ہماری طرف سے ان پرسختی آئی تو کیوں نہ اُنہوں عاجزی اختیارکی۔مگران کےدل تو اورسخت ہوگئےاورشیطان نے ان کواطمینان دلایا کہ جو کچھ تم کررہے ہو،خوب کررہے ہو۔پھر جب اُنہوں نے اس نصیحت کوجو انہیں کی گئی تھی،بھلا دیا تو ہم نے ہرطرح کی خوشحالیوں کے دروازے اُن پرکھول دیئے۔یہاں تک کہ جب وہ ان بخششوں میں جوان کوعطا کی گئی تھیں،خوب مگن ہوگئےتواچانک ہم نے اُنہیں پکڑلیااوراب حال یہ تھا کہ وہ ہرخیر سے مایوس تھے۔اس طرح ان لوگوں کی جڑ کاٹ کررکھ دی گئی جنہوں نےظلم کیا تھا۔،،(الانعام:42-45)

یہاں واضح کردیا کہ زندگی اس طرح سے گزارنا چاہئے کہ اللہ تعالٰی کی رضاحاصل ہوجائے کیونکہ دنیا امتحان گاہ ہے اوراس دنیا میں جو کچھ بھی دیا گیا ہے بطورامانت دیا گیا۔اب ان معمولات سے ذرا ساہٹواورہماری طرف لوٹ کےآؤلیکن اگرتم لوٹ کےنہیں آتےاورعاجزی نہیں کرتے اوراللہ کی طرف رجوع نہیں کرتے تو پھر ہم بھی تمہاری پروانہیں کریں گےاور تمہارے دل اورسخت بنادیئےجائیں گے۔جب دل اورزیادہ سخت ہوجائیں تو ہم خوشحالی بھیج دیتے ہیں۔دولت کی ریل پیل کردیتے ہیں تا کہ تم عیش وعشرت میں مگن ہوجاؤ۔جب اس ڈھیل میں انسان بحیثیت فردیاقوم اللہ کوبھلادےتو اچانک رسی کھینچ لی جاتی ہے۔اللہ کاعذاب آجاتا ہےاوروہ قوم صفحۂ ہستی سے مٹادی جاتی ہے۔یہ اللہ کی سُنت ہے جس سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہئے۔

تصّورِنبوت اور دورِ جاہلیت

زمانہءجاہلیت میں نبوت کے بارے میں یہ تصور پایا جاتا تھا کہ نبی کو اس شان وشوکت سے آنا چاہئے کہ اس کے آگے پیچھے فرشتے ہوں۔شوروغوغا اور ہٹو بچو کی صدائیں ہوں اور لوگ نبی سے جو چاہیں پوچھیں اور جو خواہش ظاہر کریں، وہ پوری کرتا چلا جائے۔نیز یہ کہ نبی کا کھانے پینے سے کیا تعلق؟ نبی کو بشری حاجتوں سے کیا؟ گویا نبی انسان نہیں،فرشتہ ہونا چاہئے۔یوں لوگوں کے ذہنوں میں نبوت کے بارے میں یہ سارے تصورات اور توہمات تھے۔

ایک حدیث عرض کرتا چلوں تاکہ آپ کو پتا چل سکے کہ حضور اکرم ﷺ سے لوگ کس قسم کے سوالات کرتے تھے۔کفارِ مکہ نے رسول کریم ﷺ کے سامنے تین موقعوں پر مطالبات پیش کیے۔

اول یہ کہ اگر آپ واقعی سچے رسول ہیں تو ہمیں مستقبل میں پیش آمدہ تمام مفید یا مضر حالات وواقعات بتا دیجئے تاکہ ہم مفید چیزوں کو حاصل کرنے اور مضر چیزوں سے بچنے کے انتظامات پہلے ہی کرلیا کریں۔

تیسرے یہ کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہماری ہی قوم کا ایک جوان جو ہماری ہی طرح ماں باپ سے پیدا ہوا اور تمام بشری صفات مثلاً کھانے، پینے، چلنے پھرنے، بولنے میں ہمارا ساتھی ہے،وہ اللہ کا رسول بن جائے۔کوئی فرشتہ ہوتا جس کی تخلیق اور اوصاف ہم سب سے ممتاز ہوتے تو ہم اس کو اللہ کا رسول اور اپنا پیشوا مان لیتے۔ان تینوں سوالات کے جوابات میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا۔

قل لا اقول لكم عندى خزائن الله ولا اعلم الغيب ولا اقول لكم انى ملك ان اتبع الا ما يوحى الى قل يستوى الاعمى والبصيرo (الانعام:50)

”اے نبی! (ﷺ) ان کو بتا دیجئے میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے جمع کئے

ہوئے خزانے موجود ہیں۔نیز میں غیب کا علم نہیں رکھتا اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف اِس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی گئی ہے۔اے نبی! ان سے پوچھو کہ کیا اندھا اور دیکھنے والا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تم غور وفکر سے کام نہیں لیتے ہو؟"

حشر کا ایک منظر اور اندازِ تبلیغ

اِس کے بعد مزید تنبیہہ کیلئے ارشاد فرمایا:

وانذر به الذين يخافون ان يحشرو الى ربهم ليس لهم من دونه ولي ولا شفيع لعلهم يتقونo

ولا تطردالذين يدعون ربهم بالغدوةِ والعشي يريدون وجهه

("اے محمد! ﷺ) آپؐ اس علم وحی کے ذریعے سے ان لوگوں کو نصیحت کریں۔جو اس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے سامنے اس حال میں پیش کئے جائیں گے کہ اس کے سوا وہاں نہ کوئی مددگار ہوگا اور نہ کوئی سفارش کرنے والا۔شاید کہ (اس نصیحت سے متنبہ ہوکر) وہ خدا ترسی کی روش اختیار کر لیں اور جو لوگ اپنے رب کو دن رات پکارتے رہتے ہیں اور اس کی خوشنودی کی طلب میں لگے ہوئے ہیں، اُنہیں اپنے سے دور نہ کیجئے۔" (الاعراف 52.52)

ان الفاظ کے ذریعے سے پہلی بات یہ کہی کہ لوگوں کو قرآن کے ذریعے سے ڈراؤ۔معلوم ہوا کہ تبلیغ وہدایت کیلئے بنیاد قرآنِ مجید ہے۔جس تبلیغ میں قران شامل نہیں، وہ تبلیغ ناقص ہوگی۔اور بار بار قرآن میں یہی کہا جا رہا ہے کہ اس قرآن کے ذریعے سے لوگوں کو اسلام کی طرف بلاؤ۔ اس کے بعد فرمایا کہ کچھ لوگ ہیں جو صبح وشام اللہ تعالیٰ کو پکارتے رہتے ہیں، اس کے مکھڑے کے طلب گار ہیں۔ان کو اس کام سے نہ ہٹاؤ۔ان پر توجہ دو کیونکہ یہی لوگ ہیں جو دین کی بات سنیں گے، جانیں گے، مانیں گے اور پھر اس پر عمل کریں گے۔

نبوت کے درج بالا تصور کو ذہن میں رکھ کر قرآنی ہدایات پر غور کر لیجئے۔آگے چل کر ہم تفصیل سے اس بات پر بحث کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیا بھی مبعوث کیے ہیں۔سب کے بارے میں یہی فرمایا کہ "**منهم**" اسی قوم اور انہی لوگوں میں سے۔انسان اور تمام انبیاء ہی نوع میں سے آئے ہیں۔ہاں! یہ الگ بات کہ بشر، بشر میں فرق ہوتا ہے ایک انسان اور دوسرے

انسان کے رُتبے میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔نبوت کے بارے میں گفتگو کے دوران میں اِس بات کو ضرور پیشِ نظر رکھنا چاہئے۔

اِس سلسلے میں ارشادِ ربانی ملاحظہ فرمائیں۔

وقالوا مال هذا الرسول ياكل الطعام ويمشي في الاسواق۔

''وہ کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور (گلیوں اور) بازاروں میں گھومتا پھرتا ہے''۔ (الفرقان:3)

گویا یہ کام فرشتوں کی ایک فوج ظفر موج کو کرنا چاہئے تھا حالانکہ یہ ان کے غلط خیالات ہیں۔آگے چل کے یہ صراحت آئے گی کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے انسانوں میں انسان رسول مبعوث کیئے۔اِس چکر میں نہ پڑو کہ رسول تو انسانوں میں بھیجے جائیں اور رہوں وہ فرشتہ۔ اللہ تعالیٰ کی سنت ایسی نہیں ہے۔

علم غیب۔خاصہ خداوندی

اور پھر ایک جگہ یوں ارشاد فرمایا۔

وعنده مفاتح الغيب لا يعلمها الا هو ۔ ويعلم ما في البر والبحر o

''اور اِس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں اور سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا کہ سمندر اور خشکی میں کیا ہے''۔ (الانعام:59)

پھر آگے چل کر فرمایا جاتا ہے۔

قل من ينجيكم من ظلمت البر والبحر تدعونه تضرعاً و خفيةً لئن انجنا من هذه لنكونن من الشكرين۔

قل الله ينجيكم منها ومن كل كرب ثم انتم تشركون o

قل هو القادر على ان يبعث عليكم عذابا من فوقكم اومن تحت ارجلكم او يلبسكم شيعا و يذيق بعضكم باس بعض انظر كيف نصرف الايت لعلهم يفقهون o

(اے محمد ﷺ) ان سے پوچھئے کہ صحرا کی تاریکیوں میں کون تمہیں خطرات سے بچاتا ہے؟ کون ہے جس سے تم مصیبت کے وقت گڑگڑا کراور چپکے چپکے دعائیں مانگتے ہو؟ (کس سے کہتے ہو) کہ اگر اس سے تم نے ہمیں بچالیا تو ہم ضرور شکر گزار ہوں گے۔ آپ (جواب میں) کہہ دیجئے کہو کہ اس سے اور ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے، پھر بھی تم دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہو۔ آپ کہہ دیجئے وہ اس بات پر قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب اوپر سے نازل کردے یا تمہارے قدموں کے نیچے سے برپا کردے یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کرکے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کی طاقت کا مزا چکھادے۔ آپؐ دیکھئے کہ ہم کس طرح بار بار مختلف طریقوں سے اپنی نشانیاں ان کے سامنے پیش کررہے ہیں شاید کہ وہ (اس حقیقت کو) سمجھ جائیں۔'' (الانعام:64-65)

انسانی فطرت

یہاں یہ بتایا جارہا ہے کہ انسان کی فطرت کے اندر توحید چھپی ہوئی ہے۔ جب مشکل وقت آن پڑتا ہے تو پھر انسان گڑگڑا کراور چپکے چپکے اللہ کو پکارتا ہے۔ لیکن جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو پھر اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک ٹھہرانے لگتا ہے اور فرمایا کہ ہم چاہیں تو تمہیں امن سے زندگی بسر کروادیں اور اگر عذاب میں گرفتار کرنا چاہیں تو جس طرف سے چاہیں اوپر، نیچے، دائیں، بائیں سے عذاب لے آئیں، حتیٰ کہ بھائیوں بھائیوں کو باہم لڑادیں۔ تمہارے دل ہماری دو انگلیوں کے درمیان ہیں۔ ہم جس طرح چاہیں تمہارے دل کو پلٹ سکتے ہیں۔ حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے جو کچھ مانگنا ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ سے مانگو۔ وہی سب کچھ جاننے، کرنے اور دینے والا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام اور عقیدہ توحید

اِس عقیدے کو مزید واضح کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے واقعے کا ذکر فرماتے ہیں جو تاروں کو دیکھتے ہیں، چاند کو دیکھتے ہیں اور پھر سورج کو ملاحظہ کرتے ہوئے ان کو باری باری اپنا معبود قرار دینے لگتے ہیں اور پھر جب سب ڈوب جاتے ہیں تو واضح اعلان فرماتے ہیں کہ میں ڈوبنے والوں کو معبود نہیں مان سکتا۔

انی وجهت وجهی للذی فطر السموت والارض حنیفا وما انا من المشرکینo(الاعراف:79)

''میں نے اپنا رخ سیدھا اس ذات گرامی کی طرف کرلیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ میں اس کیلئے یکسو ہو گیا ہوں اور میں اِس یکسوئی میں کسی اور کو شریک نہیں ٹھہراؤں گا۔''

اِس کو اخلاص لِلّٰہ کہا جاتا ہے۔ اِسی موضوع پر اس سورۃ میں جس کی خصوصیت یہ ہے کہ اِس میں توحید کے مضامین کو خصوصاً نمایاں اور واضح انداز سے بیان کیا گیا ہے، اِس عنوان سے اللہ تعالیٰ ایک سوال کرتے ہیں کہ دیکھو دو فریق ہیں۔ ان میں سے ایک تو وہ ہے جو شرک کرتا ہے۔ کسی کو بارش کا خدا، کسی کو اولاد دینے والا، کسی کو دولت عطا کرنے والا سمجھتا اور مانتا ہے یعنی جس قدر اس کی حاجات ہیں، ان تمام کیلئے مختلف معبود اور دیوتا اِس نے بنا لئے ہیں۔ دوسرا وہ شخص ہے جو موحد ہے اور اس کا عقیدہ یہ ہے کہ صرف ایک ذات ہی عبادت کے لائق ہے۔ تمام اختیارات کی مالک اور تمام قوتوں کا منبع وہی ذات ہے۔

ان القوة للّٰه جمیعاo

''ساری کی ساری قوت صرف اللہ کیلئے ہے''۔

الحاصل دو فریق ہیں۔ ایک فریق شرک کرتا ہے جبکہ دوسرا توحید کا قائل ہے۔ اِس کے بعد ایک سوال کیا کہ ''ان دونوں فریقوں میں سے کونسا ہے جو امن کا حقدار ہے'' پھر خود ہی فرمایا:

الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانهم بظلم اولئك لهم الامن وهم مهتدونo (الاعراف:82)

''(امن کے حقدار وہ لوگ ہیں) جو ایمان لائے اور اُنہوں نے اپنے ایمان کو کسی ظلم یا شرک سے آلودہ نہیں کیا۔ امن انہی لوگوں کیلئے ہے اور یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔''

اس مقام پر قرآنِ مجید میں سلامتی، امن اور ہدایت و راہنمائی دو اہم باتیں بیان کی گئی ہیں۔

اِسی لئے ہم جب نئے مہینے کا چاند دیکھتے ہیں تو یہ دُعا کرتے ہیں۔

اللھم اھله علینا بالامن والایمان والسلامة والاسلام ربی و ربك اللّٰهُ

''اے اللہ! اِس کو ہم پر ظاہر فرما امن، ایمان، سلامتی اور اسلام کے ساتھ۔''

امن اور ایمان، سلامتی اور اسلام کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ یہاں یہ بات کہی جا رہی ہے کہ دو فریقوں میں سے امن و اطمینان کی سعادت اِس فریق کو ملے گی جو توحید پر قائم ہوگا اور اِس نے اپنی توحید کو ظلم اور شرک کے ساتھ آلودہ نہیں کیا ہوگا۔

شرک کا وبال

اِسی توحید اور اِس کی جانب راہنمائی کا ذکر کر کے شرک کی قباحت اور اِس کے وبال کو اِن الفاظ میں بیان فرمایا۔

ذلك ھدی اللّٰه یھدی به من یشاءُ من عباده ولو اشرکوا لحبط عنھم ما کانوا یعملونo

اُولئك الذین اتینھم الکتب والحکم والنبوة فان یکفربھا ھولاءِ فقد وکلنا بھا قوما لیسوا بھا بکفرینo

اُولئك الذین ھدی اللّٰهُ فبھدھم اقتده ـ قل لا اسئلکم علیه اجرا ان ھو الا ذکری للعلمینo

''یہ اللہ کی ہدایت ہے، جس کے ساتھ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے، راہنمائی کرتا ہے لیکن اگر کہیں ان لوگوں نے شرک کیا ہوتا تو ان کا سب کیا کرایا غارت ہو جاتا۔ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب، حکم اور نبوت عطا کی تھی۔ اب اگر یہ لوگ اِس کو ماننے سے انکار کرتے ہیں تو پروا نہیں۔ ہم نے کچھ اور لوگوں کو یہ نعمت سونپ دی ہے (جو اسلام قبول کرنے والے ہیں) جو اِس

سے منکر نہیں ۔اے محمد ﷺ وہی لوگ اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ تھے (یعنی تمام انبیاء کا گروہ) اُنہی کے راستے پر تم چلو اور کہدو کہ میں اس تبلیغ وہدایت کے کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ۔یہ تمام دنیاوالوں کے لئے ایک عام نصیحت ہے،،

پہلی بات یہ ہے کہ تمام انبیاء کا ایک ہی دین ہے حضور ﷺ کا دین بھی اسی دین کی آخری اور حتمی صورت ہے پھر فرمایا کہ اس بحث یا چکر میں نہ پڑو کہ فلاں مانتا ہے اور فلاں نہیں مانتا ۔کچھ لوگ نہیں مانیں گے تو بعض دوسرے اور لوگ مان لیں گے ۔تمہارا کام صرف بات کو پہنچائے جانا ہے ہاں یہ کہدو کہ میں کسی اجر کا طالب نہیں ہوں ،اس لئے کہ مبلغ ،داعی ،مجاہد اپنی تقریر اور محنت کا اجر نہیں مانگا کرتے ۔اس کے بعد ارشاد فرمایا:

وماقدروا اللّٰه حق قدره اذ قالوا ما انزل اللّٰه علی بشر من شیء قل من انزل الکتب الذی جاء به موسی نورا وهدی للناس تجعلونه قراطیس تبدونها و تخفون کثیرا وعلمتم ما لم تعلمو اانتم ولا اباؤکم قل اللّٰه

’’ان لوگوں نے اللہ کا اندازہ بہت غلط لگایا ،جب کہا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا ہے ۔ان سے پوچھو کہ وہ کتاب موسیٰ علیہ السلام لائے تھے‘ جو تمام انسانوں کے لئے روشنی اور ہدایت تھی‘ جسے تم پارہ پارہ کر کے رکھتے تھے‘ کچھ دیکھاتے تھے اور کچھ چھپاجاتے تھے اور جس کے ذریعے سے تم کو وہ علم دیا گیا جو نہ تمہیں حاصل تھا اور نہ تمہارے باپ دادا کو آخر اس کا نازل کرنے والا کون تھا؟ انہیں بس اتنا کہدو کہ اللہ ہی تھا۔‘‘ (الانعام:9)

اسلامی اخلاقیات کے چار مراتب

(سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

جس چیز کو ہم اسلامی اخلاقیات سے تعبیر کرتے ہیں، وہ قرآن وحدیث کی رو سے دراصل چار مراتب پر مشتمل ہے۔ ایمان، اسلام، تقویٰ اور احسان۔ یہ چاروں مراتب یکے بعد دیگرے اس فطری ترتیب پر واقع ہیں کہ ہر بعد کا مرتبہ پہلے مرتبہ سے پیدا ہوا اور لازماً اسی پر قائم ہوتا ہے اور جب تک نیچے والی منزل پختہ ومحکم نہ ہو جائے دوسری منزل کی تعمیر کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔ اس پوری عمارت میں ایمان کو بنیاد کی حیثیت حاصل ہے۔ اس بنیاد پر اسلام کی منزل تعمیر ہوتی ہے۔ پھر اس کے اوپر تقویٰ اور سب سے اُوپر احسان کی منزل اُٹھتی ہیں۔ ایمان نہ ہو تو اس پر کسی بالائی منزل کا بوجھ نہیں ڈالا جا سکتا، یا ایسی کوئی منزل تعمیر کر بھی دی جائے تو وہ بودی اور متزلزل ہو گی۔ ایمان محدود ہو تو جتنے حدود میں وہ محدود ہو گا، اسلام تقویٰ اور احسان بھی بس انہی حدود تک محدود رہیں گے۔ پس جب تک ایمان پوری طرح صحیح، پختہ اور وسیع نہ ہو، کوئی مرد عاقل جو دین کا فہم رکھتا ہو اسلام تقویٰ یا احسان کی تعمیر کا خیال نہیں کر سکتا۔ اسی طرح تقویٰ سے پہلے اسلام اور احسان سے پہلے تقویٰ کی صحیح پختگی اور توسیع ضروری ہے۔ لیکن اکثر ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ اس فطری واصولی ترتیب کو نظر انداز کر کے ایمان واسلام کی تکمیل کے بغیر تقویٰ واحسان کی باتیں شروع کر دیتے ہیں اور اس سے بھی زیادہ افسوسناک یہ ہے کہ بالعموم لوگوں کے ذہنوں میں ایمان واسلام کا ایک نہایت محدود تصور رچا گزیں ہے اسی وجہ سے وہ سمجھتے ہیں کہ محض وضع قطع، لباس، نشست وبرخاست، اکل وشرب اور ایسی ہی چند ظاہری چیزوں کو ایک مقررہ نقشے پر ڈھال لینے سے تقویٰ کی تکمیل ہو جاتی ہے، اور پھر عبادات میں نوافل واذکار، اوراد ووظائف اور ایسے ہی بعض اعمال اختیار کر لینے سے احسان کا بلند مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ بسا اوقات اسی تقویٰ اور احسان کے ساتھ ساتھ لوگوں کی زندگیوں میں ایسی صریح علامات بھی نظر آتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ابھی ان کا ایمان ہی سرے سے درست اور پختہ نہیں ہوا ہے۔ یہ غلطیاں جب تک موجود ہیں کسی طرح یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ ہم اسلامی اخلاقیات کا نصاب پورا کرنے میں کبھی کامیاب ہو سکیں گے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ہمیں ایمان، اسلام، تقویٰ اور احسان کے ان چاروں مراتب کا پورا پورا تصور بھی حاصل ہو اور اس کے ساتھ ہم ان کی فطری ترتیب کو بھی اچھی

طرح سمجھ لیں

ایمان

اس سلسلے میں سب سے پہلے ایمان کو لیجئے جو اسلامی زندگی کی بنیاد ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ توحید و رسالت کے اقرار کا نام ایمان ہے۔ اگر کوئی شخص اس کا اقرار کر لے تو اس سے وہ قانونی شرط پوری ہو جاتی ہے جو دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لیے رکھی گئی ہے اور وہ اس کا مستحق ہو جاتا ہے کہ اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کیا جائے۔ مگر کیا یہی سادہ اقرار جو ایک قانونی ضرورت پوری کرنے کے لیے کافی ہے اس غرض کے لیے بھی کافی ہو سکتا ہے کہ اسلامی زندگی کی ساری سہ منزلہ عمارت صرف اسی بنیاد پر قائم ہو سکے؟ لوگ ایسا ہی سمجھتے ہیں اور اسی لیے جہاں یہ اقرار موجود ہوتا ہے وہاں عملی اسلام اور تقویٰ اور احسان کی تعمیر شروع کر دی جاتی ہے، جو اکثر ہوائی قلعہ سے زیادہ پائیدار ثابت نہیں ہوتی لیکن فی الواقع ایک مکمل اسلامی زندگی کی تعمیر کے لیے یہ ناگزیر ہے کہ ایمان اپنی تفصیلات میں پوری طرح وسیع اور اپنی گہرائی میں اچھی طرح مستحکم ہو۔ ایمان کی تفصیلات میں سے جو شعبہ بھی چھوٹ جائے گا اسلامی زندگی کا وہی شعبہ تعمیر ہونے سے رہ جائے گا، اور اس کی گہرائی میں جہاں بھی کسر رہ جائے گی۔ اسلامی زندگی کی عمارت اسی مقام پر بودی ثابت ہوگی۔

مثال کے طور پر ایمان باللہ کو دیکھئے جو دین کی اوّلین بنیاد ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ خدا کا اقرار اپنی سادہ صورت سے گزر کر جب تفصیلات میں پہنچتا ہے تو لوگوں کے ذہن میں اس کی بے شمار صورتیں بن جاتی ہیں۔ کہیں وہ صرف اس حد پر ختم ہو جاتا ہے کہ بے شک خدا موجود ہے اور دنیا کا خالق ہے اور اپنی ذات میں اکیلا ہے کہیں اس کی انتہائی وسعت بس اتنی ہوتی ہے کہ خدا ہمارا معبود ہے اور ہمیں اس کی پرستش کرنی چاہیے۔ کہیں خدا کی صفات اور اسکے حقوق و اختیارات کا تصور کچھ زیادہ وسیع ہو کر بھی اس سے آگے نہیں بڑھتا کہ عالم الغیب، سمیع و بصیر، سمیع الدعوات و قاضی الحاجات اور ''پرستش'' کی تمام جزوی شکلوں کا مستحق ہونے میں خدا کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ ''مذہبی معاملات'' میں آخر سند خدا ہی کی کتاب ہے۔ ظاہر ہے کہ ان مختلف تصورات سے ایک ہی طرز کی زندگی نہیں بن سکتی۔ بلکہ جو تصور جتنا محدود ہے عملی زندگی اور اخلاق میں بھی لازماً اسلامی رنگ اتنا ہی محدود ہو گا، حتیٰ کہ جہاں عام مذہبی تصورات کے مطابق ایمان

باللہ اپنی انتہائی وسعت پر پہنچ جائے گا وہاں بھی اسلامی زندگی اس سے آگے نہ بڑھ سکے گی کہ خدا کے باغیوں کی وفاداری اور خدا کی وفاداری ایک ساتھ کی جائے، یا نظامِ کفر او رنظام اسلام کو سمو کر ایک مرکب بنالیا جائے۔

اِسی طرح ایمان باللہ کی گہرائی کا پیانہ بھی مختلف ہے۔کوئی خدا کا اقرار کرنے کے باوجود اپنی کسی معمولی سے معمولی چیز کو بھی خدا پر قربان کے لئے آمادہ نہیں ہوتا۔کوئی بعض چیزوں سے خدا کو عزیز تر رکھتا ہے مگر بعض چیزیں اِسے خدا سے عزیز تر ہوتی ہیں۔کوئی اپنی جان مال تک خدا پر قربان کر دیتا ہے مگر اپنے رجحاناتِ نفس اور اپنے نظریات وافکار کی قربانی یا اپنی شہرت کی قربانی اِسے گوارا نہیں ہوتی۔ٹھیک ٹھیک اِسی تناسب سے اسلامی زندگی کی پائیداری بھی متعین ہوتی ہے اور انسان کا اسلامی اخلاق ٹھیک اِسی مقام پر دغا دے جاتا ہے جہاں اِس کے نیچے ایمان کی بنیاد کمزور رہ جاتی ہے۔

ایک مکمل اسلامی زندگی کی عمارت اگر اُٹھ سکتی ہے تو صرف اِسی اقرارِ توحید پر اُٹھ سکتی ہے جو انسان کی پوری انفرادی واجتماعی زندگی پر وسیع ہو،جس کے مطابق انسان اپنے آپ کو،اپنی ہر چیز کو خدا کی ملک سمجھے اس کو اپنا اور تمام دنیا کا ایک ہی جائز مالک،معبود،مطاع اور صاحب امر ونہی تسلیم کرے۔اِسی کو ہدایت کا سرچشمہ مانے اور پورے شعور کے ساتھ اِس حقیقت پر مطمئن ہو جائے کہ خدا کی اطاعت سے انحراف،یا اس کی ہدایت سے بے نیازی،یا اس کی ذات وصفات اور حقوق واختیارات میں غیر کی شرکت جس پہلو اور جس رنگ میں بھی ہے سراسر ضلالت ہے۔ پھر اِس عمارت میں اگر استحکام پیدا ہوسکتا ہے تو صرف اِسی وقت جبکہ آدمی پورے شعور او رپورے ارادے کے ساتھ یہ فیصلہ کرے کہ وہ اور اس کا سب کچھ اللہ کا ہے اور اللہ ہی کیلئے ہے۔اپنے معیار پسند و ناپسند کو ختم کر کے اللہ کی پسند و ناپسند کے تابع کر دے۔اپنی خودسری کو مٹا کر اپنے نظریات وخیالات،خواہشات وجذبات اور انداز فکر کو اس علم کے مطابق ڈھال لے جو خدا نے اپنی کتاب میں دیا ہے۔اپنی تمام اُن وفاداریوں کو دریابُرد کر دے جو خدا کی وفاداری کے تابع نہ ہوں بلکہ اس کے مدِ مقابل بنی ہوئی ہوں یا بن سکتی ہوں۔اپنے دل میں سب سے بلند مقام پر خدا کی محبت کو بٹھائے اور ہر اس بت کو ڈھونڈ ھ ڈھونڈ کر اپنے نہاں خانہ دل سے نکال پھینکے جو خدا کے مقابلے میں عزیز تر ہونے کا مطالبہ کرتا ہو۔اپنی محبت اور نفرت، اپنی دوستی اور دشمنی، اپنی

رغبت اور کراہیت، اپنی صلح اور جنگ، ہر چیز کو خدا کی مرضی میں اس طرح گم کردے کہ اس کا نفس وہی چاہنے لگے جو خدا چاہتا ہے اور اسی سے بھاگنے لگے جو خدا کو ناپسند ہے۔ یہ ہے ایمان باللہ کا حقیقی مرتبہ اور آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ جہاں ایمان ہی ان حیثیات سے اپنی وسعت و ہمہ گیری اور اپنی پختگی و مضبوطی میں ناقص ہو وہاں تقوے یا احساس کا کیا امکان ہوسکتا ہے۔ کیا اس نقص کی کسر ڈاڑھیوں کے طول اور لباس کو تراش خراش یا سبحہ گردانی یا تہجد خوانی سے پوری کی جاسکتی ہے؟ اسی پر دوسرے ایمانیات کو بھی قیاس کرلیجئے۔ نبوت پر ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک انسان کا نفس زندگی کے سارے معاملات میں نبی کو اپنا رہنمانہ مان لے اور اس کی رہنمائی کے خلاف یا اس سے آزاد جتنی رہنمائیاں ہوں ان کو رد نہ کردے۔ کتاب پر ایمان اس وقت تک ناقص ہی رہتا ہے جب تک نفس میں کتاب اللہ کے بتائے ہوئے اصول زندگی کے سوا کسی دوسری چیز کے تسلط پر رضامندی کا شائبہ بھی باقی ہو یا اتباع ماانزل اللہ کو اپنی اور ساری دنیا کی زندگی کا قانون دیکھنے کے لئے قلب و روح کی بے چینی میں کچھ بھی کسر ہو۔ اسی طرح آخرت پر ایمان بھی مکمل نہیں کہا جاسکتا جب تک نفس پوری طرح آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے اور اُخروی قدروں کے مقابلے میں دنیوی قدروں کو ٹھکرادینے پر آمادہ نہ ہوجائے اور آخرت کی جواب دہی کا خیال اُسے زندگی کی ہر راہ پر چلتے ہوئے قدم قدم پر کھٹکنے نہ لگے۔ یہ بنیادیں ہی جہاں پوری نہ ہوں آخر وہاں اسلامی زندگی کی عالیشان عمارت کس شے پر تعمیر ہوگی؟ جب لوگوں نے ان بنیادوں کی توسیع و تکمیل اور پختگی کے بغیر تعمیر اخلاق اسلامی کو ممکن سمجھا تب ہی تو نوبت یہاں تک پہنچی کہ کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ کرنے والے جج، غیر شرعی قوانین کی بنیاد پر مقدمے لڑنے والے وکیل، نظام کفر کے مطابق معاملاتِ زندگی کا انتظام کرنے والے کارکن، کافرانہ اصول تمدن و ریاست پر زندگی کی تشکیل و تاسیس کیلئے لڑانے والے لیڈر اور پیرو، غرض سب کیلئے تقویٰ و احسان کے مراتب عالیہ کا دروازہ کھل گیا، بشرطیکہ وہ اپنی زندگی کے ظاہری انداز و اطوار کو ایک خاص نقشہ پر ڈھال لیں، اور کچھ نوافل و اذکار کی عادت ڈال لیں۔

اسلام

ایمان کی یہ بنیادیں جن کا میں نے ابھی آپ سے ذکر کیا ہے، جب مکمل اور گہری ہوجاتی ہے۔ تب ان پر اسلام کی منزل شروع ہوتی ہے۔ اسلام دراصل ایمان کے عملی ظہور کا دوسرا نام

ہے۔ایمان اور اسلام کا باہمی تعلق ویسا ہی ہے جیسا بیج اور درخت کا تعلق ہوتا ہے وہی درخت کی شکل میں ظاہر ہو جاتا ہے حتیٰ کہ درخت کا امتحان کر کے باآسانی یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ بیج میں کیا تھا اور کیا نہ تھا۔آپ نہ یہ تصور کر سکتے ہیں کہ بیج اسمیں موجود بھی ہو پھر بھی درخت پیدا نہ ہوا ایسا ہی معاملہ ایمان اور اسلام کا ہے۔جہاں ایمان موجود ہوگا لازماً اس کا ظہور آدمی کی عملی زندگی میں، اخلاق میں، برتاؤ میں، تعلقات میں، کٹنے اور جڑنے میں، دوڑ دھوپ کے رُخ میں، مذاق ومزاج کی اُفتاد میں، سعی وجہد کے راستوں میں، اوقات اور قوتوں اور قابلیتوں کے مصرف میں، غرض مظاہر زندگی کے ہر ہر جزو میں ہو کر رہے گا۔ان میں سے جس پہلو میں بھی اسلام ظاہر نہ ہو رہا ہو یقین کر لیجیے کہ اس پہلو میں ایمان موجود نہیں ہے یا ہے تو بالکل بودا اور بے جان ہے اور اگر عملی زندگی ساری کی ساری ہی غیر مسلمانہ شان سے بسر ہو رہی ہو،تو جان لیجیے کہ دل ایمان سے خالی ہے یا زمین اتنی بنجر ہے کہ ایمان کا بیج برگ وبار نہیں لا رہا ہے۔بہر حال میں نے جہاں تک قرآن وحدیث کو سمجھا ہے یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ دل میں ایمان اور عمل میں اسلام نہ ہو۔

(اس موقع پر ایک صاحب نے اٹھ کر پوچھا کہ ایمان اور عمل کو آپ ایک ہی چیز سمجھتے ہیں یا ان دونوں میں کچھ فرق ہے؟اس کے جواب میں کہا:۔)

آپ تھوڑی دیر کے لیے اپنے ذہن سے ان بحثوں کو نکال دیں جو فقہاء اور متکلمین نے اس مسئلے میں کی ہیں اور قرآن سے اس معاملے کو سمجھنے کی کوشش کریں۔قرآن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اعتقادی ایمان اور عملی اسلام لازم وملزوم ہیں۔اللہ تعالیٰ جگہ جگہ ایمان اور عمل صالح کا ساتھ ساتھ ذکر کرتا ہے اور تمام اچھے وعدے جو اس نے اپنے بندوں سے کیے ہیں انہی لوگوں سے متعلق ہیں جو اعتقاداً مومن اور عملاً مسلم ہوں۔پھر آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں جہاں منافقین کو پکڑا ہے وہاں ان کے عمل ہی کی خرابیوں سے ان کے ایمان کے نقص پر دلیل قائم کی ہے اور عملی اسلام ہی کو حقیقی ایمان کی علامات ٹھہرایا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ قانونی لحاظ سے کسی شخص کو کافر ٹھہرانے اور امت سے اس کا رشتہ کاٹ دینے کا معاملہ دوسرا ہے اور اس میں انتہائی احتیاط ملحوظ رکھنی چاہیے مگر میں یہاں اس ایمان واسلام کا ذکر نہیں کر رہا ہوں جس پر دنیا میں فقہی احکام مرتب ہوتے ہیں۔بلکہ یہاں ذکر اس ایمان واسلام کا ہے جو خدا کے ہاں معتبر

ہے اور جس پر اُخروی نتائج مرتب ہونے والے ہیں۔ قانونی نقطۂ نظر کو چھوڑ کر حقیقتِ نفس الامری کے لحاظ سے اگر آپ دیکھیں گے تو یقیناً یہی پائیں گے کہ جہاں عملاً خدا کے آگے سپر اندازاور سپردگی و حوالگی میں کمی ہے، جہاں نفس کی پسند خدا کی پسند سے مختلف ہے جہاں خدا کی وفاداری کے ساتھ غیر کی وفاداری نبھائی جارہی ہے جہاں خدا کا دین قائم کرنے کی سعی کے بجائے دوسرے مشاغل میں انہماک ہے، جہاں کوششیں اور محنتیں راہ خدا کے بجائے دوسری راہوں میں صرف ہورہی ہیں۔ وہاں ضرور ایمان میں نقص ہے اور ظاہر ہے کہ ناقص ایمان پر تقویٰ اور احسان کی تعمیر نہیں ہوسکتی، خواہ ظاہر کے اعتبار سے متقیوں کی سی وضع بنانے اور محسنین کے سے بعض اعمال کی نقل اتارنے کی کتنی ہی کوشش کی جائے۔ ظاہر فریب شکلیں اگر حقیقت کی روح سے خالی ہوں تو ان کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسی ایک نہایت خوبصورت آدمی کی لاش بہترین وضع و ہیئت میں موجود ہو مگر اس میں جان نہ ہو اس خوبصورت لاش کی ظاہری شان سے دھوکا کھا کر آپ اگر کچھ توقعات اس سے وابستہ کرلیں گے تو واقعات کی دنیا اپنے پہلے ہی امتحان میں اس کا ناکارہ ہونا ثابت کردے گی اور تجربے سے آپ کو خود ہی معلوم ہوجائے گا کہ ایک بدصورت مگر زندہ انسان ایک خوبصورت مگر بے روح لاش سے بہرحال زیادہ کارگر ہوتا ہے۔ ظاہر فریبیوں سے آپ اپنے نفس کو تو ضرور دھوکا دے سکتے ہیں لیکن عالم واقعہ پر کچھ بھی اثر نہیں ڈال سکتے اور نہ خدا کی میزان ہی میں کوئی وزن حاصل کرسکتے ہیں۔ پس اگر آپ کو ظاہری نہیں بلکہ وہ حقیقی تقویٰ اور احسان مطلوب ہو جو دنیا میں دین کا بول بالا کرنے اور آخرت میں خیر کا پلڑا جھکانے کے لیے درکار ہے تو میری اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیجئے کہ اوپر کی یہ دونوں منزلیں کبھی نہیں اُٹھ سکتیں جب تک ایمان کی بنیاد مضبوط نہ ہوجائے اور اس کی مضبوطی کا ثبوت عملی اسلام یعنی بالفعل وفرمانبرداری سے نہ مل جائے۔

روحانی کیفیات

(توحیدی سالک کا خط)

میرے پیارے باباجان

السلام علیکم!

اس وقت رات کے بارہ بجکر پانچ منٹ ہو چکے ہیں اور اللہ کی محبت و معرفت کی کیفیت جاری و ساری ہے۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ سارا معاملہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔آجکل ایسے ایسے انکشافات ہو رہے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔میں آپ کو بتانا بھی چاہتا ہوں اور بتا بھی نہیں پا رہا، کیونکہ الفاظ ساتھ نہیں دیتے اور جزبات قابو سے باہر ہیں۔اب بات بنے تو کیسے اس وقت مجھے اپنی کم مائیگی کا شدت سے احساس ہے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت میری ذات پر حاوی ہے۔آپ چونکہ مجھے اس دنیا میں سب سے عزیز ہیں اس لئے حوصلہ پا کر کچھ باتیں لکھ رہا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ غلطیوں کی تصیح فرمائیں گے اور اپنی مزید محبت سے نوازیں گے۔

بات یہ ہے کہ آج کل ذات اور صفات کے بارے پتہ چل رہا ہے۔ذات کیا ہے؟ اور روح کیا ہے؟ صفات کیا ہیں اور جسم کیا ہے۔یہاں میں کچھ وضاحت پیش کرنا چاہتا ہوں مگر الفاظ۔۔ ذات کے بارے میں یہ ہے کہ ذات ایسی چیز ہے جیسے ''کچھ نہ ہونے میں ہونا''یعنی کچھ بھی نہیں تھا اور پھر کچھ ہو گیا۔اور اس ہونے کا عرفان ہی ذات ہے۔

اور اس پوری کائنات میں اللہ کی ذات کو ہی سب سے پہلے اپنے ہونے کا ادراک تھا اسی لئے اللہ تعالیٰ جل و شانہ کی ذات ہی ازلی ہے اور قدیم بھی اب چونکہ ذات کوئی مادہ انرجی یا ایسی چیز نہیں جو کہ فزیکل موجود ہو سکے بلکہ بے چوں و چگوں اور بے نام حقیقت کی وضاحت کے لیے صفات کا ہونا ضروری ٹھہرا۔کیونکہ صفات ہی سے ذات کی آگاہی حاصل ہو سکتی ہے۔کیونکہ ذات تو صرف ہونے کا احساس ہے۔اور اس کائنات میں جتنی رنگ و روشنی اور تغیر ہے وہ صفات

کا ہی مرہون منت ہے۔ایک بات یہ بھی کہ کئی جگہوں پر ذات ہی ہے اور کچھ نہیں اور کئی جگہوں پر ذات وصفات مدغم ہو جانے کا احساس ہوتا ہے اس کائنات کی جتنی چیزیں ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی ''موج'' کی مرہون منت ہیں۔یعنی اللہ تعالیٰ کسی بھی چیز کے ہونے کا ارادہ کرتے ہیں اور وہ چیز عدم سے وجود میں آ جاتی ہے لیکن ابھی وہ اللہ عزوجل کے وجدان میں ہے اور ذات کے اندر ہے لیکن ابھی وہ ذات اللہ کے لیے ذات ہے لیکن اپنے لئے کچھ بھی نہیں ہے یہاں تک کے اللہ تعالیٰ کے حرف کن سے وہ وجود میں آ جاتی ہے اور اس میں صفات گردش کرنے لگتی ہیں تب اُس کو اپنے وجود کا پتہ چلتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک کوئی ذات وصفات سے متصف نہ ہواُ سے اپنے ہونے کا ادراک نہیں ہوتا۔یہی سب کچھ انسان کے ساتھ بھی ہوا۔جب اللہ نے روزِ ازل تمام انسانوں کو پیدا کیا تو وہ پیدائش کیا تھی، نہ جسم تھا، نہ روح تھی، بس ذات تھی یعنی ہونے کا احساس تھا (یہ ہونا اللہ کے لئے تھا نا کہ انسان کے لیے) پھر اللہ نے ان میں دو صفات محبت اور عبودیت پیدا کیں۔تب انہیں اپنے ہونے کا احساس ہوا اور پھر اللہ عزوجل نے سب سے پوچھا ''**اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ** ''یعنی کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ اب اللہ نے اپنی پہچان کروائی لیکن صفت کے حوالے سے یعنی صفت ربوبیت کے حوالے سے۔۔۔۔۔۔

اس کے علاوہ یہ بھی کہ کائنات کی جتنی چیزیں ہیں وہ اللہ کی ذات کے اندر ہی ہیں باہر کچھ نہیں ہے۔اللہ کی ذات وہاں بھی ہے جہاں کائنات ختم ہو جاتی ہے یعنی خلائے محض ہے جس کی کوئی حدود نہیں ہیں۔اقبالؒ نے اپنے اس شعر میں شاید اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے

موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

یہ سب اللہ کا خیال ہے یہ سب ایسے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق یعنی کائنات، ستارے، سیارے، انسان اور نباتات و جمادات سب اُس کے ارادہ کی مختلف صورتیں اور شکلیں ہیں۔اس کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں ہیں لیکن نہ زبان میں اُسے بیان کرنے کی طاقت ہے اور نہ قلم میں وہ اقبال کا شعر بھی ہے ناں۔

حقیقت یہ ہے جامئہ حرف تنگ
حقیقت ہے آئینہ، گفتار زنگ
فروزاں ہے سینے میں شمع نفس
مگر تاب گفتار کہتی ہے بس
اگر یک سرِ موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

ایک بات اور یاد آ گئی کہ ذات صفات سے ماورئ اور روح صفات سے متصف ہوتی ہے۔ باقی اصل حقیقت تو اللہ عزوجل ہی بہتر جانتے ہیں۔ بابا جان یہ چند لفظ لکھنے کا مقصد حال دل بیان کرنا اور رہنمائی چاہنا ہے کیونکہ یہ سب کچھ آپ ہی کا ہے۔ اور میں تو بالخصوص آپ کا ہوں اور روحانی طور پر آپ میں سے ہوں کیونکہ مجھے روحانی جنم تو آپ نے ہی دیا ہے اور اپنی محبت سے پروان چڑھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ شفقت ہمارے سروں پر تا دیر سلامت رکھے اور اس میخانہ توحید کو سدا شاد آباد رکھے۔ آمین

والسلام! آپ کا بیٹا

سالانہ اِجتماع

15,14,13 اپریل 2007ء

بروز جمعہ، ہفتہ اور اتوار کو ہوگا

بابا جی کے ساتھ

(محمد یونس ہاشمی)

تقریباً تین گھنٹے کی مسافت کے بعد ہم فتح پور پہنچ گئے۔فیصل خان صاحب نمازظہر کے بعد واپس ملتان تشریف لے گئے۔فتح پور میں جناب چوہدری مبارک صاحب کی مہمان نوازی کا شرف ملا۔نمازعصر کے بعد بھائیوں کی آمد شروع ہوگئی اور بات چیت کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا۔ چوہدری مبارک صاحب نے سوال کیا کہ حساب سے پہلے عذاب قبر کیوں ہوتا ہے۔بابا جی نے فرمایا جسم حشر میں ہی اُٹھیں گے۔جب روح نکلتی ہےتو اُس کوفرشتے پکڑ کرنہیں لے جاتے ملک الموت ہر وقت انسان کے ساتھ لگا رہتا ہے جب وقت پورا ہوتا ہےفرشتہ روح کا تعلق جسم سے الگ کردیتا ہے۔جیسے ربڑ کو کھینچا ہواور اُس کو کاٹ دیں تو وہ واپسی اپنی اصلی حالت میں یعنی مقام محمود تک پہنچ جاتی ہے۔روح نکلنے کے بعد اپنا سفر اپنے مقام کی طرف پرواز کرتی ہےتو اپنے اعمال کی بنیاد پر جنت یا دوزخ میں اپنے مقام میں جا کر قیام کرلیتی ہےاور حشر تک انتظار کرتی ہے۔عذاب صرف روح پر ہوتا ہے۔اگر کوئی انسان پانی وغیرہ میں ڈوب کر مرجائے یا کوئی جانور کھاجائے وہ تو پھر عذاب قبر سے بچ جاتا ہےایسا نہیں بلکہ عذاب روح کو ہوتا ہے۔بعض اجسام کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ اُن کی ارواح کو پر عذاب ہو رہا ہے۔جیسے دنیا میں قوموں کی غلامی کو قوم عذاب نہیں سمجھتی۔عذاب قبر مٹی کے ڈھیر کو نہ سمجھا جائے۔اعمال کے لحاظ سے روح حشر تک ویٹنگ روم میں رہتی ہے۔بدروح جو اکثر نظر آجاتی ہے یا ظاہر ہوجاتی ہیں۔وہ مادہ میں ہی پھنسی ہوئی ہے اور اُس سے نکل ہی نہیں سکتی۔اتنی بھاری یعنی کثیف ہوتی ہے کہ اوپر جاتی ہی نہیں۔پھر جب قیامت واقع ہوگی اور مادہ ٹوٹ جائے گا پھر اعمال کے حساب سے یہ ارواح عذاب میں رہیں گی۔حشر میں ارواح اپنے اجسام کے ساتھ اُٹھائی جائیں گی حدیث رسولؐ ہے کہ ہر کوئی اپنے جسم کے ساتھ اُٹھے گا۔جیسے مقناطیس کے ٹکڑے جہاں بھی ہوں آپس میں جڑ جاتے ہیں۔جیسے

حضرت عزیر علیہ السلام کے گدھے کی مثال ہے۔

جنت میں (Ageening Effect) نہیں ہوگا یعنی ابھی بیج بوئے گا فوراً پودا تیار ہو جائے گا۔ عذاب قبر ایسے ہی ہے جیسے آدمی سوتے ہوئے خواب میں کوئی ڈراؤنا خواب دیکھے تو ڈر محسوس ہوتا ہے لیکن جسم پر اُس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ جس جگہ اجسام دفن کیئے جاتے ہیں ارواح کا تعلق اُس جگہ کے ساتھ ضرور رہتا ہے جیسے حضورؐ پر درود شریف پڑھتے ہیں تو جہاں بھی ہوں فیض محسوس ہوتا ہے۔ لیکن اگر روضہ رسولؐ پر جائیں تو بات ہی کچھ اور ہوگی۔ علیین اور سجین کی تفسیر یہ ہے کہ ایک رپورٹ بک ہے جیسے بنک کے کمپیوٹر میں کوئی بھی ٹرانسیکشن (Transaction) لوکل بنک میں سٹور ہوتی ہے تو ساتھ ہی یہ (Transaction) مین برانچ میں بھی ریکارڈ ہو جاتی ہے اور ایک ریکارڈ مین ریکارڈ آفس میں چلا جاتا ہے مین ریکارڈ آفس کے معنی اللہ کا دفتر ہے۔ کفار کو روزانہ آگ کا عذاب دیکھایا جاتا ہے اور حشر کے دن اُس میں گرایا جائے گا۔ اُس وقت تک آگ دیکھا کر ڈرایا جائے گا۔

خادم حلقہ فتح پور کو شجرہ سلسلہ یاد نہیں تھا اور اُن کو شجرہ یاد کرنے کی تاکید کی اور فرمایا جب میں سلسلہ توحیدیہ کے حلقہ میں شامل ہوا تھا تو حلقہ میں کسی کو شجرہ یاد نہ تھا۔ اور لیمپ کی روشنی کر کے شجرہ پڑھتے تھے۔ میں نے اگلے جمعہ تک شجرہ یاد کر لیا اور حلقہ میں پڑھا۔ بابا جی نے جناب چوہدری مبارک صاحب کو ''مجاز سلسلہ'' بھی مقرر کیا۔

''محبت اور صداقت دو پھول ہیں''

اللہ کے ذِکر کے ساتھ اپنا وَاللہ خود ہی آ جائے گا

اللہ کا ذکر کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ (One Way Traffice) ہے۔ نہیں بلکہ اللہ بھی ہم کو اُسی طرح یاد کرتا ہے جیسے ہم۔ فرمایا بابا جی انصاری صاحبؒ نو بیعت شدہ بھائی کے خط کے جواب میں فرمایا ''اللہ کا دیدار معمولی کام نہیں کہ دو چار دن اللہ اللہ کی اور لگے کہنے اللہ کا دیدار کب

ہوگا۔خدا کی قسم اگر ساری عمر اللہ اللہ کرنے کے بعد بھی آخر وقت میں ایک جھلک نظر آئے تو بڑا پھل ہے۔اور اُس طالب کا حشر اللہ کی گود کے سوا کچھ نہ ہوگا۔بابا جی نے فرمایا چراغ سے چراغ جلتا ہے جیسے نیا چراغ ہو اور اُسمیں تیل وغیرہ سب کچھ ہو لیکن جب تک دوسرے جلتے چراغ سے اُسے روشن نہ کریں چراغ نہی جلے گا۔اسی طرح دلوں کے چراغ بھی اللہ والوں کے چراغ سے روشن ہوتے ہیں۔پھر اس چراغ کے لیے تیل کا بندوبست کرو یعنی دل کو روشن رکھنے کے لئے نفی اثبات اور پاس انفاس و اللہ کے ذکر سے اُس کو روشن رکھو۔ایک شعر سے دنیا میں رہتے ہوئے اللہ کی یاد کی وضاحت فرمائی۔

اس دنیا میں یوں رہیو جل پنکھ پھرت جو ساگر میں
یادِ خدا میں یوں رہیو جو ناگر کا چیت گاگر میں

یعنی دنیا میں اس طرح رہو جیسے پانی کا پرندہ سمندر سے اپنی خوراک نکالتا ہے، پرواز کرتا ہے اور سمندر میں ڈوبتا نہیں اور اللہ کی یاد میں ایسے رہو جیسے عورتیں اپنے سر پر پانی کے مٹکے رکھ کر جاتیں ہیں آپس میں بات چیت بھی کرتی رہتی ہیں لیکن اُن کا دھیان مٹکوں میں ہوتا ہے تا کہ گر نہ جائے۔انصاری صاحب کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا۔''لوگوں کو محض اللہ کے لئے اللہ کی راہ پر لگانا دنیا کا بہترین کام ہے''۔

حلقہ چوک اعظم کے بھائی بھی شام کو حلقہ ذکر میں شامل ہونے کے لئے پروفیسر شبیر صاحب کے ہمراہ تشریف لائے پروفیسر شبیر صاحب نے سوال کیا کہ ''نیکی کے تصور کا پیمانہ کیا ہے؟بابا جی نے فرمایا یہ زندگی کیوں دی گئی ہے۔فقط محبت کے لیے دین سارا اسی لئے ہے کہ آپ محبت کرنے والے بن جائیں اللہ کے قرب کی طرف جو چیز لے جائے وہی نیکی کا پیمانہ ہے جیسے تھرمامیٹر، جتنا گرم ہوگا اُتنا ہی پارہ اُوپر جائے گا آپ نے جتنا اپنے آپ کو لطیف کر کے اللہ کے نزدیک کیا یہی

پیمانہ ہے۔

اے مسلماں دل سے پوچھ مُلاسے نہ پوچھ

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار

جب ذرا گردن جھکائی دیدار کر لیا

اپنے قلب کوشفاف کریں پھر ہی اللہ سے قرب ہوگا۔جیسے کیمرہ کی فلم کے رول پر ایک تصویر کے بعد دوسری تصویر کھینچنے سے پہلی تصویر ختم ہوجاتی ہے اسی طرح دل میں کوئی اور بس رہا ہوتو اللہ کا دیدار کیسے ہوگا۔جیسے ہر چیز کے ماپنے کے مختلف پیمانے ہیں جیسے کپڑا غلہ وغیرہ اسی طرح نیکی یا گناہ کے ماپنے کا پیمانہ بھی مختلف ہے۔جیسے خانہ کعبہ میں نماز پڑھتے ہوئے آپ کودل میں محسوس ہوگا کہ بہت مزا آیا اسی طرح ہر نیکی کا پیمانہ ہے کہ آپ کا دل آپ کو گواہی دے گا۔انصاری صاحبؒ نے فرمایا کہ نیک اعمال کرتے ہوئے ہماری روح ہر وقت بلند ہوتی رہتی ہے اور جب وہ اپنے مقرر کردہ مقام پر پہنچ جاتی ہے۔اگر آپ کی روح کثافت میں مبتلا ہےتو اُسی طرح سے ناپا جائے گا۔حدیث رسول ﷺ ہے فرمایا اگر کسی شخص کے گھر کے سامنے سے نہر گزر رہی ہواور وہ پانچ وقت اُسمیں نہائے تو کیاوہ میلا ہوسکتا ہے صحابہ نے فرمایا نہیں۔اس طرح جو شخص پانچ وقت نماز پڑھتا ہے وہ بھی شفاف رہتا ہے باباجی نے فرمایا نہانے کے لئے پانی میں ڈبونا یا غوطہ لگانہ ضروری ہے۔اسی طرح نماز میں بھی اللہ کی یاد کا غوطہ لگانے سے کام بنے گا

میں وہ بسمل ہوں جو خنجر خوخار کے نیچے یاد تجھے کرتا ہوں

شہید اللہ کی محبت میں جاں قربان کرکے اللہ کی ذات کی سچائی کا ثبوت دیتا ہے۔

قطع ماسوئی اللہ کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سالک میں تسلیم ورضا کا مادہ پیدا ہوجاتا ہے۔ (طریقت توحیدیہ۔46)

خواجہؒ کے خطوط

(ترتیب وتدوین۔خالد مسعود تو حیدی)

روحانی توجہ

(روحانی توجہ اور فیض کے بارے میں بانی سلسلہؒ کے خطوط میں سے اقتباسات قارئین مجلّہ کی افادیت کے لئے درج کئے جارہے ہیں)

☆1۔"عالمگیر صاحب! میں اکثر آپ کا خیال کرتا رہتا ہوں اور اس کا اثر بھی آپ کے دل پر پڑتا ہے ممکن ہے آپ کو معلوم نہ ہوتا ہو کہ یہ اثر کیا ہے اور کدھر سے آرہا ہے"۔

(بنام عالمگیر صاحب)

☆2۔"توجہ کی کمی میری طرف سے کبھی نہ ہوگی۔کمی تو آپ لوگوں کی طرف سی ہوتی ہے"۔

(بنام غوث محمد صاحب)

☆3۔"جتنا پاس انفاس زیادہ کرو گے اور میرا خیال زیادہ رکھو گے اتنی ہی توجہ زیادہ ملے گی اور روحانی ترقی ہوگی۔"

☆4۔"پہلی سی کیفیات جو آپ کی نہیں ہوتیں تو یہ کتنے عرصہ سے ہے۔میرے خیال میں یہ قبض ہے جو سب سالکوں کو ہمیشہ ہوتا ہے اور خود بخود جاتا رہے گا۔آپ میرا خیال ذرا زیادہ رکھا کریں۔"آپ تعلیم پر عمل کرتے رہیں تو فیض بھی باقاعدہ ملتا رہے گا۔"(بنام عبدالحمید صاحب)

☆5۔جب تک پیر کے ساتھ مختلف حلقوں کا رابطہ قائم نہ رہے وہ لوگ کیسے ترقی کر سکتے ہیں۔باطنی رابطہ کا کوئی ثبوت نہیں ہوتا۔وہ جتنا ضروری ہے اتنا ہی ظاہری رابطہ ضروری ہے۔وہ خط وکتابت ہی سے ہوسکتا ہے۔یا پھر ماہوار فنڈ وغیرہ آتا ہے تو معلوم ہوتا رہتا ہے کہ فلاں حلقہ زندہ ہے۔جب دونوں باتیں ہی نہ ہوں۔نہ خط نہ فنڈ تو میں کیا سمجھوں۔"

(بنام محمد مرتضیٰ صاحب)

☆6۔ ''پاکستان کی مسلح افواج اور مجاہدین کی طرف خیال کر کے دل سے توجہ کی طاقت ان کو پہنچایا کریں۔اور کفار پر یہ توجہ دیا کریں کہ ''بھاگو''''بھاگو''۔انشاء اللہ یہ چیز بیکار نہیں جاتی ضرور اثر ہوتا ہے۔دعا بھی کیا کریں۔''(1965ء بنام محمد صدیق ڈار صاحب)

☆7۔ ''یہ بات آپ ریاض صاحب کو نہ کہیں۔وہ خود اپنے آپ کو درست کرنے کی کوشش کرے۔میری توجہ ساتھ ہوگی''۔

o ''باہر جانے سے پہلے ذرا مظہر صاحب پر توجہ کرتے رہا کریں۔''

o ''رسالپور پی اے ایف کالج میں ایک فلائٹ لفٹیننٹ صاحب جن کا نام محمد یونس ہے ان کے والد صاحب حاجی ظریف میرے دوست ہیں۔آپ کبھی کبھی ان سے مل کر ذرا ان پر ہلکی سی توجہ کر دیا کریں۔بہت اچھے عبادت گذار بندے ہیں۔''

o حاجی ظریف صاحب میرے دوست ہیں۔ان کا خط آیا تھا کچھ ''اللہ اللہ'' کرنا چاہتے ہیں۔میں نے لکھ دیا تھا کہ آپ سے ملیں۔ان پر توجہ کر دینا''۔

o ''ظریف صاحب کو میں نے لکھ دیا ہے کہ ہتھیلی پر سرسوں نہیں جما کرتی۔آپ اُن کی غیر حاضری میں ان پر توجہ کرتے رہیں کام ہو جائے گا۔میں بھی کر رہا ہوں۔''

o ''مرزا صاحب خط و کتابت بند کر دی ہے۔ویسے بھی کوئی کرنٹ وغیرہ ادھر سے نہیں آئی۔معلوم ہوتا ہے کہ یاد بھی نہیں کرتے۔انکی مرضی-----منظور صاحب بھی پھسڈی ہو گئے ہیں۔کراچی کا حلقہ ہر لحاظ سے اچھا کام کر رہا ہے۔''

o ''مرزا صاحب پر ذرا کڑی توجہ کریں۔بن بنا کر خراب ہو رہے ہیں اور ان کو احساس بھی نہیں ہے۔عجب زمانہ ہے۔''

o ''کبھی کبھی دل خالی ہو جانا قدرتی ہوتا ہے۔یہ بات سینکڑوں مرتبہ سمجھا چکا ہوں کہ اس سے آئندہ ترقی ہوتی ہے۔ایسا نہ ہو تو آئندہ ترقی نہ ہو۔بہرحال میں نے مال (فیض) بھیج دیا ہے امید ہے مل گیا ہوگا۔گھبرایا نہ کرو۔گاہکوں کا تنگ کرنا تو بہت اچھا ہے سودا بانٹتے رہیں۔''
(بنام محمد صدیق ڈار)

اللہ

اعجاز انسانیت

(عبدالرشید ساہی)

شعر نمبر 1

اعجاز ہے کسی کا یا گردش زمانہ
ٹوٹا ہے ایشیاء میں سحر فہ نگیانہ

علامہ اقبال فرماتے ہیں خواہ اسے کسی مخفی طاقت کا معجزہ تصور کر و یا انقلاب روزگار کا نتیجہ قرار دو بہر صورت یہ یقینی بات ہے کہ ایشیائی قوموں میں اقوام فرنگ کی غلامی سے نکلنے کا جذبہ پیدا ہو چکا ہے اور وہ دن دور نہیں جب ایشیائی اقوام یورپ کی غلامی سے آزاد ہو جائیں گی علامہ اقبال کو اپنی سوچ اور شعور کے مطابق کوئی آفاقی شاعر کا نام دیتا ہے کوئی مفکر کے نام سے نوازتا ہے اور کوئی ان کا شمار دانشوروں میں کرتا ہے مگر میرے فکر کے مطابق تو علامہ اقبال اس دور کے مجدد گزرے ہیں علامہ اقبال نے بہت عرصہ پہلے ہی انگریزوں کے ایشیا سے کوچ کا پیام دے دیا تھا ان کی Power of Vision بتا رہی تھی کہ غلامی کی زنجیر ٹوٹنے والی ہے کیونکہ وہ ایشیائی اقوام کی آنکھوں میں آزادی کی چمک کو دیکھ رہے تھے۔

دلوں میں ولولے آفاق گیری کے نہیں اٹھتے
نگاہوں میں اگر پیدا نہ ہو انداز آفاقی

اللہ رب العزت کسی کی جدوجہد کو رائیگاں نہیں جانے دیتے ہر انسان کو اسی کے مطابق صلہ ملتا ہے جس کے لئے وہ کوشش کرتا ہے لیکن صد افسوس کے غلامی سے نجات حاصل کرنے کے بعد ہم غافل ہو گئے آزادی کی قدر نہ کی اسی وجہ سے آج شکست خوردہ اقوام میں ہم سرفہرست ہیں اور معاشی اور ذہنی غلامی میں مبتلا ہیں۔

شعرنمبر2

تعمیر آشیاں سے میں نے یہ راز پایا
اہل نواکے حق میں بجلی ہے آشیانہ

علامہ اقبال فرماتے ہیں جو لوگ اس دنیا میں اپنی آواز بلند کر سکتے ہیں یعنی اپنے خیالات کا اظہار برملا کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے آشیانہ بنانا یعنی اسباب راحت و آسائش جمع کرنا، قرین مصلحت نہیں ہے کیونکہ جب ایک شخص اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے تو یہ نامکن ہے کہ ساری دنیا ان سے اتفاق کرے ضرور کچھ لوگ اختلاف بھی کریں گے اور اختلاف رائے سے مخالفت پیدا ہونی یقینی ہے اس لئے مخالفین ہمیشہ نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں اور کبھی نہ کبھی ان کو اس کوشش میں کامیابی بھی ہوجاتی ہے۔

بحر حال اپنے خیالات کا برملا اظہار کرنے والے لوگ مخصوص قسم کے ہوتے ہیں یہ ہر کسی کے بس میں نہیں ہے۔حدیث نبویؐ ہے کہ "ظالم و جابر حاکم کے سامنے کلمہ حق کہنا جہاد ہے"

آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

برسر میدان بات کرنے والے لوگ ازل سے چلے آرہے ہیں ان کو روکا نہیں جاسکا بحر صورت نیکی اور بدی دونوں قوتیں ساتھ ساتھ چلتی رہیں گی آج بھی نا اہل اور جابر حکمرانوں کی مخالفت میں آوازیں بلند ہورہی ہیں بے حیائی ،فحاشی اور عریانی کی شدید مخالفت ہورہی ہے ہندوانہ اور فرنگیانہ تہذیبوں کے خلاف تحریکیں چل رہی ہیں غیر اسلامی رسوم کے خلاف بھی آوازیں آرہی ہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حق سویا نہیں جاگ رہا ہے۔

لاپھر اِک بار وہی بادہ وجام اے ساقی
ہاتھ آجائے مجھے میرا مقام اے ساقی

شعرنمبر 3

یہ بندگی خدائی ، وہ بندگی گدائی

یا بندہ خدا بن ، یا بندہ زمانہ

علامہ اقبال فرماتے ہیں جو شخص خدا کی بندگی کرتا ہے وہ دنیا میں خدائی یعنی حکومت کرتا ہے۔ قانون قدرت یہی ہے کہ اللہ اپنے بندہ کو ذلیل نہیں کرتا اور جو شخص دنیا والوں کی بندگی کرتا ہے وہ ہمیشہ دوسروں کی غلامی میں گرفتار رہتا ہے۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں زندگی گزارنے والے انسان دنیا میں بھی عزت پاتے ہیں اور آخرت میں بھی اللہ نے ان کے لئے انعام و اکرام رکھا ہوتا ہے وقت کے بادشاہ اور امراء اللہ کے نیک بندوں کے پاس دعاؤں کے لئے حاضری دیتے ہیں جبکہ اللہ کا بندہ کبھی بھی کسی حاکم کے دروازے پر نہیں آیا جس طرح اللہ کی ذات بے نیاز ہے اسی طرح اللہ کی خالص بندگی والا انسان بھی کیفیت کے لحاظ سے بے نیاز ہوتا ہے قرآن مجید نے ایسے بندوں کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ نہ تو ان کو خوف ہوتا ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں،،

کرم تیرا کہ بے جوہر نہیں میں

غلام طغرل و سنجر نہیں میں

جہاں بینی میری فطرت ہے لیکن

کسی جمشید کا ساغر نہیں میں

بندہ خدا کے برعکس بندہ زمانہ ہر وقت اور ہر گھڑی Tension کا شکار رہتا ہے دراصل دامن اسلام کی ساتھ وابستگی میں ساری کی ساری سلامتی ہے اور اللہ کی نافرمانی میں جانے میں غم ہی غم ہیں فرحت اور خوشی کا کوئی بھی لمحہ موجود نہیں ہے۔

میاں محمد صاحب فرماتے ہیں۔

در در توں چھڈ غلامی تے بن کولی اِکو در دی
اک در دی جے کولی بنیں تاں مالک سارے گھر دی

شعر نمبر 4

غافل نہ ہو خودی سے کر اپنی پاسبانی
شاید کسی حرم کا تو بھی ہے آستانہ

علامہ اقبال فرماتے ہیں اے انسان اگر تو احکام الٰہی کی کامل اطاعت کی بدولت اپنی خودی کو مستحکم کرلے تو تیرے اندر شان فقر پیدا ہوجائے گی اور جس شخص کے اندر یہ شان پیدا ہوجاتی ہے لوگ اس کی چوکھٹ کو چومنا اپنے لئے باعث فخر اور موجب سعادت سمجھتے ہیں خودی ایک محور کی حیثیت رکھتی ہے علامہ صاحب کی شاعری اس کے ارد گرد گھومتی ہے خودی کو پایہ زنجیر بنانے والے انسان دونوں جہانوں میں کامیاب و کامران رہتے ہیں اور ہر لحہ اور ہر گھڑی اپنے معبود سے، اپنے مطلوب سے، اپنے مقصود سے خوش رہتے ہیں اور کبھی شکوہ رنج والم زبان پر نہیں آنے دیتے تب جا کر وہ مرتبہ رب العزت کی طرف سے عطا کیا جاتا ہے جہاں مومن اللہ کی زبان سے بات کرتا ہے اور مومن کا پکڑنا اللہ کا پکڑنا ہوتا ہے علامہ اقبال فرماتے ہیں

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

خودی کا حامل انسان خدا کے رازوں سے آگاہ ہوتا ہے اگر کسی کو شک ہو تو قرآن مجید میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کا واقعہ ثبوت کے طور پر موجود ہے

علامہ اقبال خودی کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں

خودی کیا ہے؟ راز درون حیات
خودی کیا ہے؟ بیداری کائنات

شعرنمبر 5

اے لا الٰہ کے وارث باقی نہیں ہے تجھ میں
گفتار دلبرانہ، کردار قاہرانہ

علامہ اقبال فرماتے ہیں ۔اے مسلمان !!افسوس کہ تیری شخصیت غیر اسلامی ہو چکی ہے تم نے اسلام کے سنہری اصولوں کو چھوڑ کر مادیت پرستی شروع کر دی ہے جو کہ انسان کی حقیقی حیات کے لئے زہر قاتل ہے علامہ فرماتے ہیں

ہے انسان کے لئے قوت مشینوں کی حکومت
احساس مروّت کو کچل دیتے ہیں آلات

جب مسلمان کلمہ طیبہ پڑھتا ہے تو وہ اعلان کر دیتا ہے کہ "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمدﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

اللہ تعالٰی نے قرآن مجید میں فرمایا ہے اے محبوب پیغمبر اعلان فرما دیجئے کہ میں تمہاری طرح بشر ہوں، لیکن بات یہاں پر بس نہیں کی بلکہ آگے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور مجھ پر وحی آتی ہے مسلمانوں کو چاہیے کہ لا الہ کا اعلان کرنے کے بعد کسی غیر کی پرستش اور پوجہ پتھ کا خیال بھی دل میں نہ آنے دیں اس کی وجہ سے انسان کے اندر کمزوری اور احساس کمتری پیدا ہونا فطری بات ہے علامہ اقبال کا اس شعر میں یہی بتانا مقصود ہے کہ اللہ سے منہ موڑنے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ مسلمان میں نہ تو اخلاق نام کی کوئی چیز موجود ہے اور نہ ہی ان کے کردار میں وقار اور دبدبہ نام کی کوئی چیز موجود ہے جس کی وجہ سے مسلمان قوم ساری کی ساری ایسے ہے جیسے بھیڑوں کا گلہ ہوتا ہے کہ ایک انسان بش کی ایک گیدڑ بھبھکی سے پاکستانی حکمرانوں نے گھٹنے ٹیک دیئے لیکن دوسری طرف حماس ایک تنظیم ہونے کے باوجود اسرائیل کے سامنے ایسے ڈٹ گئی کہ آخر کار اسرائیلی درندوں کو منہ کی کھانی پڑی اور انہوں نے خود شکست تسلیم کی۔

شعرنمبر 6

تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
کھویا گیا ہے تیرا جذبہ قلندرانہ

علامہ اقبال فرماتے ہیں اے مسلمان ایک وہ زمانہ تھا کہ دنیا کی ساری اقوام تجھ سے خوف کھاتی تھیں جب کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کو غور سے دیکھتا تو اس پر کپکپی طاری ہو جاتی لیکن آج حالت یہ ہے کہ مسلمان غیر مسلموں سے ڈرتا رہتا ہے کیونکہ کردار کے لحاظ سے دنیا میں امت مسلمہ کمزور ترین ہے۔

تلوار سے دنیا کی امامت نہیں ہوتی
کردار کی خوشبو سے الٹ جاتے ہیں آفاق

فتوحات تو چنگیز خاں اور ہلاکو اور تیمور نے بھی بہت کیں مگر جو فتوحات محمد بن قاسم، طارق بن زیاد اور صلاح الدین ایوبی نے سرانجام دیں یہ بہت اثر آفرین تھیں اور دور رس نتائج کی حامل تھیں۔

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پر سوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے

مسلمان قوم کا دبدبہ، وقار اور عظمت کی ایک مثال تاریخ اسلام کے صفحات سے بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں ملاحظہ فرمائیں۔ ”یہ اس دور کی بات ہے جب ترک قوم کے مقدر کا ستارہ عروج ثریا پر چمک رہا تھا اور ان کی فتوحات کی شہرت مغرب سے مشرق اور شمال سے جنوب تک سنائی دیتی تھی۔

اِس دور میں جب ترکوں نے بلغراد شہر کو فتح کیا تو ہنگری کے یورپی بادشاہ لوئی نے اپنی ایک سفارت مسلمانوں کے حکمران سلطان سلیمان کے پاس روانہ کی کہ بلغراد شہر ہمیں لوٹا دیں۔

سلطان سلیمان نے زہریلی مسکراہٹ سے کہا اگر ہم بلغراد لوئی کوواپس نہ کریں تو وہ کیا کرے گا۔سفارت کاروں کے لیڈر نے کہااگر آپ نے بلغرادشہرہمیں واپس نہ کیاتو ہمارے بادشاہ آپ کے خلاف لشکرکشی کریں گےسلطان سلیمان نے برہمی اور خفگی سے کہاتو کیا لوئی مسلم قوم کو جنگ کی دھمکی دے رہاہے کیااسے خبرنہیں کہ دریائے کبیر کی وادیوں سے دریائے ڈینیوب کےمیدانوں تک اوربحیرہ ارال سےخلیج فارس تک میری ہی قوم پھیلی ہوئی ہے۔کیااسے خبرنہیں کہ چاروں آسمانی کتابوں کےشہرمیری سلطنت میں واقع ہیں سلطان سلیمان کاغصہ بڑھتا گیااوراس نے بڑھکتی ہوئی آواز میں کہااس جاہل کوکسی دانا نے یہ نہیں بتایا کہ ہند کے سبزہ زاروں سے افریقہ کے تپتے صحراؤں تک اورنیل کے منبع سے اس کے ڈیلٹا تک اورچاروں مقدس دریاؤں پر صرف میری ہی قوم بستی ہے کیاکسی دانا نے اسے یہ نہیں بتایا کہ منگولیا کا دریائے اردخون جہاں سےمیری قوم اٹھی جس کے نیچے تپتے ریگستان اوراوپر بلند کوہستان پاسبانوں کی طرح کھڑے ہیں اور میری قوم کی عظمت اور سطوت کےترجمان ہیں ہماری سلطنت میں سب رستے ایک ہی مرکز پر آ کر ملتے ہیں شاید لوئی کسی خلجان کاشکار ہوگیا ہے اس کوجا کر کہہ دو ہماری اور اس کی ملاقات موہاکس کےمیدانوں میں ہوگی اورہم اپنی تلواروں کی کاٹ سے ثابت کردیں گے کہ مومن ناقبل تسخیر ہےعلامہ فرماتے ہیں

تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوش محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاج سردارا

علامہ اقبال نے جب ان ملکوں کادورہ کیا جوکہ کبھی مسلمان قوم کی عظمت اورسطوت کے ترجمان تھےتو علامہ کےجذبات مطلاطم ہوگئے اس کی آنکھوں کے سامنے مسلم قوم کی سرفروشی اور جانبازی کےتمام واقعات حقیقت کی صورت میں نظر آنے لگےاور وہ یوں مخاطب ہوئے

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے؟
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ایک ٹوٹا ہوا تارہ

شعر نمبر 8

راز حرم سے شاید اقبال باخبر ہے
ہیں اس کی گفتگو کے انداز محرمانہ

علامہ اقبال فرماتے ہیں میں اسلام کی حقیقت سے واقف ہوں یہی وجہ ہے کہ میری شاعری کا انداز محرمانہ ہے یعنی میں اپنے کلام میں اسلام کے حقائق و معارف پیش کرتا ہوں علامہ اقبال کا کلام آفاقی ہے اور یہ قرآن حکیم کی تفسیر ہے اس پر مکمل غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے ورنہ صرف شاعری سمجھ کر اگر مطالعہ کیا جائے تو راز منعکش نہیں ہوتے چونکہ علامہ صاحب نے اپنی شاعری میں عشق الٰہی اور عشق رسولؐ کی بات کی ہے یہی وجہ ہے کہ کسی اور شاعر کی شاعری اس کلام سے مناسبت نہیں رکھتی علامہ صاحب نے شاعری عشق رسول ہاشمی میں فنا ہو کر لکھی ہے وہ فرماتے ہیں

میری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
میں ہوں محرم راز درون میخانہ

اللہ کرے اس منتشر قوم کو قرآن اور پیارے پیغمبرؐ کا فرمان علامہ اقبال کے فکر کے مطابق سمجھ میں آ جائے تا کہ مسلم قوم ذات پات اور مسلکوں کے چکر سے نجات حاصل کر کے امت واحد کے مقام کو پالے۔ (آمین)

حضور اکرم ﷺ کو عبدیت کا مرتبہ بدرجہ کمال حاصل تھا۔ یہی مرتبہ سلوک اور تصوف میں سب سے بلند اور اعلیٰ ہے۔ (طریقت توحیدیہ۔47)

حرب اسلامی اور دفاع پاکستان

(کرنل فضل ربی)

لازمی فوجی تربیت

دورِ جدید میں جنگیں صرف میدانِ کارزار تک محدود نہیں رہتیں بلکہ ملک کا ہر کونہ، دفتر، دکان، فیکٹری اور گھر میدان جنگ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ایسے حالات میں جنگ کی تباہ کاریوں سے بچنا صرف مستقل فوج کے ذمہ ڈالنا درست نہیں۔ بلکہ ہر فرد کو مقدور بھر ملک کے چپے چپے کے دفاع میں شریک کرنا ضروری ہے۔ بیسویں صدی کے اِس ایٹمی دور میں صرف اگلے مورچے (Front Line) محاذ نہیں رہے بلکہ اگلے محاذ سے زیادہ نازک اور ضروری محاذ تباہ کن اور دور مار (Long Range) ہتھیاروں کی وجہ سے کھل گئے اِسی لئے شہری دفاع، طبی سہولتوں کی فراہمی، اسلحہ سازی کے شعبوں میں اضافہ، حکومت کے املاک (Public Property) کی حفاظت، حکومتی اداروں سے تعاون، ضروریاتِ زندگی کی فراہمی اور دشمن کے پروپیگنڈے کا موثر جواب اور رسد اور غیرہ تمام جنگ کے محاذ ہیں۔

اِن حالات کے پیشِ نظر ہر مسلم نوجوان کو فوجی تربیت دینا ضروری ہے۔ نبی کریم ﷺ کی مندرجہ ذیل احادیث کی روشنی میں یہ ذمہ داری بلا امتیاز ہر مسلمان پر ہمیشہ کے لئے عائد ہوتی ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَاهِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَّنِيَّتُهٗ وَّاِذَ اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں مگر جہاد اور نیت باقی ہیں اور جب تمہیں نکلنے کا حکم ملے پس نکل جاؤ۔ (صحیح بخاری کتاب جہاد)

جنگی ہتھیاروں کی تربیت سے متعلق نبی کریم ﷺ نے نہایت تاکید فرمائی اِس ضمن میں نبی کریم ﷺ کی احادیث ملاحظہ ہوں۔

O عَنْ يَزِيْدِ بْنِ اَبِيْ عُبَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ سَلْمَةَ بْنَ الْاَكْوَعِؓ قَالَ مَرَّ

النَّبِیُّ ﷺ عَلٰی نَفَرٍ مِنْ اَسْلَمَ یَنْتَضِلُوْنَ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِرْمُوْابَنِی اِسْمٰعِیْلَ فَاِنَّ اَبَاکُمْ کَانَ رَامِیًا اِرْمُوْا وَاَنَا مَعَ بَنِیْ فُلَانٍ قَالَ فَاَمْسَکَ اَحَدُ الفَرِیْقَیْنِ بِاَیْدِیْھِمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَالَکُمْ لَا تَرْمُوْنَ قَالُوْا کَیْفَ نَرْمِیْ وَاَنْتَ مَعَھُمْ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِرْمُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ کُلِّکُمْ o

سلمہ بن اکوع ؓ کہتے کہ نبی کریم ﷺ قبیلہ اسلم کے چند لوگوں کے پاس سے گزرے وہ تیراندازی کررہے تھے نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔اے بنو اسمٰعیل !تیر اندازی کروتمہارے باپ اسمٰعیل تیرانداز تھے اور میں اِس گروہ کے ساتھ ہوں یہ سن کر دوسرے گروہ نے تیراندازی کی مشق روک لی۔نبی کریمؐ نے فرمایا تیراندازی کیوں نہیں کرتے انہوں نے عرض کیا آپؐ تو دوسرے گروہ میں شامل ہو گئے۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا اچھا میں فریقین کے ساتھ ہوں لیکن تیر اندازی جاری رکھو۔ (صحیح بخاری کتاب جہاد)

oعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃؓ قَالَ بَیْنَا الْحَبَشَۃُ یَلْعَبُوْنَ عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ بِحِرَابِھِمْ دَخَلَ عُمَرُ فَاَھْوٰی اِلَی الْحَصٰی فَحَصَبَھُمْ بِھَا فَقَالَ دَعْھُمْ یَا عُمَرُ o

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حبشی لوگ نبی کریم ﷺ کے سامنے برچھے سے کھیل رہے تھے اتنے میں حضرت عمرؓ آئے اور کنکریاں اُٹھانے کیلئے جھکے اور ان پر کنکر مارے نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے عمرؓ انہیں کھیلنے دے۔ (بخاری)

عہد نبویؐ اور لازمی فوجی تربیت! بحیثیت سپہ سالار نبی کریم ﷺ نے اپنے عہد مبارک میں ہر ایک صحابی کو مجاہد فی سبیل اللہ بنادیا تھا نبی کریم ﷺ نے باقاعدہ فوج اور اس کی باقاعدہ تنظیم جیسے آج کل افواج کی ہے نہیں بنائی۔اِس لئے کہ بوقت ضرورت ہر مسلمان رضا کارانہ طور پر اپنے آپ کو پیش کرتا۔اپنے لئے ہتھیار اور سواری کا انتظام کرتا۔اپنا راشن ساتھ لے جاتا اور لشکر اسلام میں شامل ہو کر دشمن کے خلاف لڑتا۔جب ضرورت پڑتی تو خروج فی سبیل اللہ اتنا منظم ہوتا کہ نفیر کے اعلان پر تمام لڑاکا مسلمانوں کے نام لکھوائے جاتے۔یہاں تک کہ

ننھے ننھے بچے بھی اپنا نام پیش کرتے۔غزوہ اُحد (۳ھ) کے موقع پر کمسن نوجوان نے عجیب و غریب جوش دکھایا۔

رافع بن خدیج ؓ اپنے آپ کو بلند قامت ظاہر کرنے کیلئے پاؤں کے بل کھڑے ہوئے تو انہیں اجازت مل گئی۔اجازت ملنے پر دوسرے کمسن صحابہ کو رشک ہوا۔اِن میں سے حضرت سمرۃ بن جندب ؓ نے حضرت رافع ؓ سے مقابلہ کی درخواست کی۔نبی کریم ﷺ نے قبول فرما کر دونوں سے کشتی لڑائی۔کشتی کے دوران حضرت سمرۃ ؓ نے حضرت رافع ؓ کو گرا دیا اور یوں دونوں ننھے اور کمسن صحابہ کو غزوہ اُحد میں شرکت کی اجازت مل گئی۔

لشکر کی روانگی کا کام اتنا منظم ہوتا کہ صحابہ کرام ؓ کے نام رجسٹر میں درج کئے جاتے یہ رجسٹرڈ صحابہ کرام ؓ اِس فریضے کی تکمیل کے سلسلے میں اتنے پابند ہوتے کہ کسی ضروری تقاضے کی صورت میں وہ نبی کریم ﷺ سے رُخصت طلب کرتے۔رُخصت مانگنے کے سلسلے میں اور ملکی دفاع میں عدم شمولیت پر سرزنش کے بارے میں واقعات ملاحظہ ہوں۔

○عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّهُ سَمِعَ النَّبِیَ ﷺ يَقُوْلُ لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ وَلَا تُسَافِرَنَّ امْرَأَةٌ اِلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اُكْتُتِبْتُ فِي غَزْوَةٍ وَكَذا وَخَرَجَتِ امْرَأَتِي حَاجَّةً قَالَ اِذْهَبْ فَحُجَّ مَعَ امْرَأَتِكَ ○

حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا کوئی مرد کسی غیر عورت کے ساتھ تنہا نہ رہے نہ کوئی عورت بغیر اپنے محرم کے سفر کرے۔یہ سن کر کوئی شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا، یا رسول اللہ ﷺ میرا نام فلاں فلاں غزوہ کیلئے لکھا گیا ہے۔لیکن میری بیوی حج کو جا رہی ہے۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا لوٹ جاؤ اور اپنے بیوی کے ساتھ حج کر۔

○غزوہ تبوک (رجب ۹ھ) کے موقع پر جو تین اولوالعزم صحابہ کرام ؓ (حضرت بلال بن امیہ، حضرت مرارہ بن ربیع اور حضرت کعب بن مالک) پیچھے رہ گئے تھے۔اِن کے ساتھ نبی کریم ﷺ نے پچاس دن تک سوشل بائیکاٹ کیا۔☆یاد رہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر بوجہ سخت گرمی دُور دراز کے سفر اور پکے ہوئے تیار فصل سنبھالنے کے وقت صرف یہ تین صحابہ کرام ؓ کچھ سستی کی وجہ سے رہ گئے تھے۔نبی کریم ﷺ نے واپسی سے قبل تبوک کے مقام پر معائنے

کے دوران باز پرس کی امام بخاریؒ نے حضرت کعب بن مالکؓ کے واقعہ کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جس میں **ما فعل کعب**، کعب کو کیا ہوا؟ کے الفاظ مروی ہیں۔

O جنگ یمامہ (۱۱ھ) میں شہدا کی زیادہ تعداد حفاظ اور قراء کی تھی جس سے پتہ لگتا ہے کہ حفظ قرآن کی مشغولیت بھی کسی کو فوجی خدمت سے مستثنیٰ نہیں کر سکتی اور نہ اسلام میں درس و تدریس کا کام فوجی خدمات سے استثنیٰ کا باعث بن سکتا ہے۔ جیسے روایت میں ہے۔

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ وَقَدْ سَافَرَ النَّبِیُّ ﷺ وَاَصْحَابُهٗ فِیْ اَرْضِ الْعَدُوِّوَهُمْ یَعْلَمُوْنَ الْقُرْاٰنَO

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے دشمن کے مما لک میں سفر کیا اور قرآن کی تعلیم دیتے تھے قرآن پاک کی آیت **لَیْسَ عَلَی الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَی الْمَرْضٰی وَلَا عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ مَا یُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ**۔

ضعیف اور بیمار لوگ اور وہ لوگ جو شرکت جہاد کے لئے راہ نہیں پاتے اگر پیچھے رہ جائیں تو کوئی حرج نہیں جبکہ وہ خلوص دل کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کے وفادار ہوں۔

قرآنی آیت کی روشنی میں صرف کمزوروں، بیماروں اور تنگ دستوں کو نبی کریم ﷺ نے رُخصت دے رکھی تھی۔ بشرطیکہ وہ اللہ اور رسول کے تابع رہیں اللہ تعالیٰ اور رسول کی وفاداری کی شرط سے معذوروں کو بھی عارضی طور پر مثال سے مستثنیٰ کیا گیا اور عذر کے دوران بھی انہیں گویا گھر میں محاذ (Front) پر کام کرنے کی تلقین کی گئی۔

نبی کریم ﷺ کی یہ سنت خلفائے راشدین کے عہد (۱۱ تا ۴۰ھ) میں بدستور قائم رہی۔ اِسی لازمی فوجی خدمت کے عوض وہ وظیفہ دیتے۔ نبی کریمؐ اور خلفائے راشدین کے دور میں ذمی (غیر مسلم رعایا) فوجی خدمت سے مستثنیٰ رہے۔ اِس لئے کہ دشمن سے ملک کا دفاع کرانا تنہا مسلمانوں کے فرائض میں داخل ہے۔ کسی ریاست کی حفاظت کیلئے وہی لوگ لڑ سکتے ہیں جو اِس ریاست کے جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کی دفاع اور بقا کو اپنے اوپر عائد کردہ فریضہ سمجھتے ہوں۔ اِس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے مخالفین کے خلاف اجماعی جنگیں لڑیں۔ اِن کے ساتھ صرف مادی ساز و سامان کے بل بوتے پر جنگیں نہیں لڑیں۔ بلکہ نظریاتی اور اعصابی جنگیں بھی

لڑیں۔جس کیلیئے رائے عامہ(Public Opinion) کوبھی ہموار کیا گیا۔
پنجہ آزمائی سے قبل دشمن کے سامنے تین شرائط رکھی جاتیں۔اگر پہلی دوشرطیں (دین اسلام کی قبولیت اور جزیہ کی ادائیگی) سے معاملہ طے ہو جاتا تو نبی کریم ﷺ تیسری اور آخری شرط (مسلح تصادم) سے ہاتھ روک لیتے۔
جنگ عظیم دوم (۱۹۳۸ء۔۱۹۴۵ء) کے دوران مخالفین نے اجماعی جنگیں لڑیں۔فریقین نے عقلی،ادبی اور مادی قوتیں تمام جنگ میں لگادیں۔جبکہ نبی کریم ﷺ نے دُنیا کی تاریخ میں پہلی دفعہ اجماعی جنگیں لڑیں جسے نظریاتی جنگوں کا نام دیا جاتا ہے۔
اِن واقعات سے پتہ لگتا ہے کہ ہر مسلمان ہنگامی حالت میں خدمات پیش کرنے کا پابند تھا۔ملکی دفاع میں لازمی شرکت کا یہی تقاضا آج ہر پاکستانی کے لئے قائم ہے۔
دورِجدید میں دفاعی سازوسامان کی تیاری اور خریداری کا انحصار ملک کی معیشت پر ہے ملکی دفاع پر اُٹھنے والے اخراجات کے متحمل صرف وہی ممالک ہوسکتے ہیں جو معاشی اعتبار سے نہایت مستحکم ہوں۔ترقی پذیر ممالک کے بجٹ کا زیادہ حصہ دفاع پر خرچ ہوتا ہے۔ماہرین معاشیات کے مطابق مستقل فوج کا رکھنا دو اعتبار سے ملکی معیشت پر بوجھ بنتا ہے ایک طرف تو فوج بذات خود ایک غیر پیداواری (Non- Productive) شعبہ ہے۔تو دوسری طرف جسمانی طور پر اہل نوجوانوں کی اکثریت دیگر پیداواری شعبوں کے بجائے اِسی غیر پیداواری شعبے میں بھرتی ہو جاتی ہے اور یوں ملکی معیشت کا استحکام مشکل ہو جاتا ہے۔(یہاں پر مستقل فوج کی نفی ہرگز مراد نہیں بلکہ لازمی فوجی تربیت کے فوائد کے ضمن میں ایک دلیل ہے)
نبی کریم ﷺ کے مبارک دور کے انتظامات اور ماہرین معاشیات کی اِس رائے کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں مستقل فوج رکھنے کے ساتھ ساتھ ہر نوجوان کے لئے عسکری تربیت کے حصول کو لازمی قرار دینا چاہیے۔تاکہ مستقل فوج کے اخراجات کو کم سے کم کیا جاسکے۔
اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کوئی ملک لازمی فوجی تربیت کا آرڈیننس جاری کر کے باقاعدہ فوج نہ رکھے بلکہ اپنے اپنے حالات اور وسائل کو خاطر میں رکھتے ہوئے فوج کی تعداد کا تعین کرے۔اس لیے کہ غیر پیداواری شعبے کے ہوتے ہوئے یہ شعبہ تمام پیداواری شعبوں کی حفاظت کا ضامن ہے۔

پاکستان اپنے حدود، رقبہ اور آبادی کے لحاظ سے اپنے روایتی حریف (ہندوستان) کا تقریباً ۱/۵ حصہ ہے۔ آبادی کے اِس تناسب کے پیشِ نظر ہندوستان جتنی فوج رکھنا ہمارے لئے اگر ناممکن نہیں تو مشکل ترین ضرور ہے۔ لہٰذا اِس کمی کو دور کرنے کے لئے واحد راستہ لازمی فوجی تربیت کا اجراء ہے تا کہ مستقل فوج کے علاوہ اکثر آبادی جو غیر فوجی ہے بوقتِ ضرورت ملک کے دفاع میں شریک ہو سکے۔

لازمی فوجی تربیت دورِ جدید میں درحقیقت آج کل تیسری دنیا کے غیر متمول اور کثیر آبادی والے ممالک میں لازمی فوجی سروس ناقابلِ عمل ہے ایسے ممالک میں لازمی فوجی سروس کی بجائے لازمی فوجی تربیت کی وسیع البنیاد پالیسی کام دے سکتی ہے۔ جس میں زیادہ سے زیادہ شہری حصہ لے سکتے ہوں۔ سیٹیزن آرمی (شہری افواج) کی اصطلاح قائداعظم نے پہلے پہل ۱۹۱۷ء میں ہندوستان کے مرکزی قانون ساز اسمبلی (Federal Legislature) میں ہندوستانیوں کی طرف سے جنگِ عظیم اول میں انگریزی حکومت کی امداد کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے پیش کی تھی۔

لازمی فوجی خدمات اور تربیت کی مثالیں آج بھی ہمارے سامنے موجود ہیں۔ مادی وسائل سے خود کفیل اور عالمی طاقت امریکہ نے باکسنگ کے عالمی چیمپئین محمد علی کے اعزاز کو صرف اِس لئے چھین لیا تھا کہ اِس نے ویت نام کی جنگ میں جانے سے انکار کیا تھا۔ یہ سکیم امریکہ میں ''ڈرافٹ'' کے نام سے مشہور ہے۔ نپولین نے انقلابِ فرانس میں فوجی تربیت کو لازمی قرار دیا تھا۔ جس کے لئے جبری فوجی بھرتی (Conscription) کی اصطلاح اَب تک رائج ہے۔

افواجِ پاکستان میں اب بھی انجینئرز اور ڈاکٹرز بوقتِ ضرورت اِسی سکیم کے تحت فوج میں بھرتی کیے جاتے ہیں۔ ہمارے پڑوسی ملک افغانستان میں ہر گھر کے تمام نوجوانوں کے ذمے فوجی تربیت حاصل کرنا اور بوقتِ ضرورت فوجی خدمات بجالانا وہاں کے ملکی قانون میں شامل ہے۔

<u>زمانہ جنگ کی تدابیر</u> اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ

صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ o

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔ جو اِس کی راہ میں صف بستہ ہو کر ایسے لڑتے ہیں گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

جنگ کے دوران جن دفاعی تدابیر کا اجراء عین حالت جنگ میں کیا جاتا ہے اِن تدابیر کی تیاری اور ان پر عمل درآمد کی ساری ذمہ داری مستقل فوج پر ہوتی ہے۔تمام سیکٹرز کے لئے پوری فوج کی سطح پر جنرل اور مقامی سیکٹرز کے دفاع کیلئے علاقے میں متعین مقامی ہیڈ کوارٹرز ذمہ دار ہوتے ہیں۔ یہ دفاع وقتی طور پر کیا جاتا ہے۔اس قسم کے دفاعی منصوبے قلیل المعیاد ہوتے ہیں۔اِن کا مقصد علاقے کے دفاع کے علاوہ اپنی سپاہ اور سازو سامان (Equipment) کا دفاع ہوتا ہے۔زمانہ جنگ کے دوران مقامی دفاع پر جغرافیائی، مقامی اور موسمی حالات اثر انداز ہوتے ہیں۔ اِس لئے ایک آزمودہ کار سپہ سالار زمین، راستے اور اِن پر موجود قدرتی و بناوٹی رکاوٹوں کے متعلق معلومات فوراً حاصل کرتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ہجرت مدینہ کے بعد غزوہ بدر کُبریٰ سے قبل آٹھ مہمات کم و بیش نفری کے ساتھ آس پاس کے علاقوں میں روانہ فرمائیں تا کہ علاقے سے واقفیت حاصل ہو۔ اِنہی معلومات کی روشنی میں نبی کریم ﷺ نے غزوہ بدر، اُحد، احزاب، خیبر اور فتح مکہ میں اپنی پسند کے علاقے میں دفاعی پوزیشن اختیار کی اور دشمن کو اپنی مرضی کے علاقے میں لڑنے پر مجبور کیا۔ جو بذاتِ خود ایک بہت بڑی کامیابی ہے۔

مشہور غزوات میں اختیار کی گئی دفاعی تدابیر کا تذکرہ بلحاظ ترتیب زمانہ کیا جاتا ہے۔(جاری)

دُعائے مغفرت

حلقہ لاہور کے اعظم نوید صاحب کے والد، شجاع آباد ملتان کے نور صابری صاحب، سید ناصر صاحب کے والد ملتان، گوجرانوالہ کے حاجی محمد امین مرحوم تاروالے کے صاحبزادے اور رمضان کے والد اور غوث محمد صاحب میانوالی رضائے الٰہی سے وفات پاگئے ہیں تمام بھائی اِن کیلئے دعا کریں۔

وصف الکبر

(پروفیسر یوسف سلیم چشتیؒ)

وہب فرماتے ہیں کہ سیدنا موسیٰؑ نے فرعون سے کہا کہ "تو ایمان لے آ"۔ تجھے جنت بھی ملے گی اور یہ دنیاوی حکومت بھی تیرے پاس رہے گی"۔ اس نے جواب دیا کہ "میں اپنے وزیر ہامان سے مشورہ کرلوں تو جواب دوں گا"۔ چنانچہ اس نے ہامان سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا اس وقت تو خود رب ہے، لوگ تیری عبادت کرتے ہیں لیکن جب تو اللہ کی بندگی اختیار کرلے گا اور بندہ بن جائے گا تو پھر تجھے خود بندگی اور اطاعت کرنی پڑے گی اور کوئی شخص عبادت نہیں کرے گا، فرعون نے حضرت موسیٰ کی بات ماننے سے انکار کردیا۔ تکبر نے اسے اس بات سے باز رکھا کہ وہ اپنے جیسے انسان کے سامنے تواضع سے کام لے چنانچہ اس نے لوگوں کے سامنے اپنے تکبر کا اظہار شروع کیا جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا **لقد استکبروافی انفسھم** ،،(۲۵۔۲۱) یہ لوگ اپنے دلوں میں اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ رہے ہیں۔ اور انہوں نے ان لوگوں کی تحقیر و تذلیل شروع کی جو انبیاءؑ کی اتباع کرتے تھے۔ اسی ذہنیت کے لوگوں نے حضرت نوحؑ سے بھی یہی کہا تھا کہ ہم تمہارے متبعین کو کمزور اور عاجز اور مسکین دیکھتے ہیں اور قریش نے بھی یہی کہا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لولا نزل ھذا القران علی رجل من القریتین عظیمo

"اور کہنے لگے یہ قرآن (اگر کلام الٰہی ہے) تو ان دونوں بستیوں میں رہنے والوں میں سے کسی شخص پر کیوں نہیں نازل ہوا"۔ (۴۳۔۳۱)

قتادہؓ فرماتے ہیں کہ قریش کی مراد ولید بن المغیرہ اور ابومسعود ثقفی سے تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ لوگ ان اشخاص کی اطاعت اور اتباع کریں جو ریاست اور ثروت و دولت کے اعتبار سے

محمد (ﷺ) سے بڑا ہو۔حق تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا:۔

اھم یقسمون رحمت ربكo (۴۳-۳۲)

کیا یہ لوگ آپؐ کے رب کی رحمت (نبوت) کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں؟۔

اور قریش یہ بھی کہتے ہیں کہ جو کوئی محمد (ﷺ) کی اتباع کرتا ہے اِسے حقیر سمجھو کیونکہ اگر وہ فہیم ہوتا تو اس کی اتباع میں ہم سے سبقت نہ لے جاتا۔وجہ یہ ہے کہ ہم خیر اور نیکی میں ان سے بہتر ہیں۔اِسی طرح قارون کا یہ قول ہے۔

قال انما اُوتیته علی علم عندی ۔(۲۸-۷۸)

قارون نے کہا کہ مجھ کو تو یہ سب کچھ میری ذاتی ہنرمندی سے ملا ہے۔

وہ یہ سمجھتے تھے کہ نیکی کیلئے ہم لوگ ہی مخصوص کیے گئے ہیں،نیز وہ لوگ مسلمانوں کو خیر کا مستحق نہیں سمجھتے تھے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لیقولوا اھولاء من اللّٰہ علیھم من بیننا(۶:۵۳)

تا کہ یہ لوگ کہا کریں کہ کیا یہ لوگ ہیں،کہ ہم سب میں سے ان پر اللہ نے زیادہ فضل کیا ہے؟۔

یہ ان کے استکبار اور دوسروں کی تحقیر اور اپنی بڑائی کی وجہ سے تھا اور اِسی لئے انہوں نے اللہ رب العزت کے احکام کو ٹھکرایا اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی۔یہ سب کچھ استکبار کی بناء پر تھا۔حتیٰ کہ بہت سے اہل کتاب نے بھی حق کی مخالفت کی حالانکہ وہ جانتے تھے کہ حق یہی ہے جو آپ (ﷺ) فرمارہے ہیں۔اِسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

فلما جاء ھم ما عرفوا کفروا به (۲-۸۹)

پس جب آئی وہ چیز ان کے پاس جس کو وہ خوب پہچانتے تھے تو اِس کا انکار کردیا۔

نیز فرمایا۔ **وجحدوا بها واستیقنتها انفسهم** (۲۷۔۱۴)

ظلم کی راہ سے ان کے بالکل منکر ہو گئے حالانکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کر لیا تھا۔

اِس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ کس چیز نے انہیں اِس بات پر آمادہ کیا۔ چنانچہ فرمایا۔"**ظلما و علوا** ۔"(۲۷۔۱۴) ظلم اور تکبر کی بناء پر۔ (انہوں نے برتری کا ارادہ کیا حالانکہ وہ اِس معاملے میں ظالم تھے)۔ کیا تجھے اِس بات کا علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

تلك الدار الاخرة نجعلها للذين لا يريدون علوا فی الارض ولا فساداً ۔ والعاقبة للمتقين ۔ (۲۸۔۸۳)

یہ عالم آخرت ہم انہی لوگوں کیلئے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا۔

قریش نے آنحضرت ﷺ سے کہا: "اے محمد ﷺ ہم آپ ﷺ کے پاس کسی طرح بیٹھ سکتے ہیں جب کہ آپ ﷺ ہمارے غلاموں کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے ہیں؟ اسی بات پر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا:

"ولا تطرد الذين يدعون ربهم بالغدوة والعشی يريدون وجهه ما عليك من حسابهم من شیء وما من حسابك عليهم من شیء"۔ (٦:٥٢)

اور ان لوگوں کو اپنے پاس سے نہ نکالیے جو صبح و شام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں جس سے اس کی رضا چاہتے ہیں ۔ان کا حساب آپ کے متعلق نہیں اور آپ کا حساب ان کے متعلق نہیں ہے۔

''ولا تعد عینك عنهم ،ترید زینة الحیوة الدنیا''(۲۸:۱۸)

اور دُنیوی زندگی کی زینت کے خیال سے آپ کی آنکھیں ان سے ہٹنے نہ پائیں۔

مراد یہ ہے کہ وہ دنیا میں سر بلندی کے خواہاں ہیں اور جب وہ جہنم میں داخل ہوں گے تو کہیں گے، جیسا کہ حق تعالیٰ نے ہمیں ان کے متعلق خبر دی ہے کہ ہم تو صرف شریر لوگوں ہی کو دیکھتے تھے یعنی یہ بتائیں گے کہ ہم انبیاء علیہم السلام کے ساتھیوں کو حقیر سمجھتے تھے جیسا کہ ابوجہل حضور ﷺ کے ساتھیوں مثلاً عمارؓ صہیبؓ اور مقدادؓ وغیرہم کے متعلق کہا کرتا تھا۔

تکبر کی دوسری قسم: دوسری قسم جو آپس میں بندوں کے درمیان ہے، وہ ایک دوسرے پر برتری کا اظہار ہے، میں نے پوچھا کہ آپس میں برتری کا کیا مطلب ہے؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ اس سے مراد دو خصلتیں ہیں۔ایک خصلت بندوں کے ساتھ حقارت سے پیش آنا ہے اور ان سے نفرت کرنا ہے۔متکبر یہ سمجھتا ہے کہ میں اُن سے برتر ہوں لہذا وہ انہیں نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔

دوسری خصلت یہ ہے کہ ایک شخص حق کو قبول کرنے کے بجائے اسے حق بات بتانے والے کی طرف لوٹا دے حالانکہ وہ سمجھتا ہے کہ وہ بات حق ہے۔تو اگر اہل حق میں سے کوئی اچھی بات کو کہتا ہے یا بری سے روکتا ہے یا دین کے مسائل میں گفتگو کرتا ہے تو اپنے منشاء کے خلاف ہونے کی وجہ سے وہ اسے رد کردیتا ہے۔حالانکہ جانتا ہے کہ وہ بات حق ہے۔چونکہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے متعلق فرماتا ہے:

''وجحدوا بها واستیقنتها انفسهم ظلما وعلوا''(۱٤:۲۷)

اُنہوں نے انکار کیا ظلم اور تکبر کی راہ سے حالانکہ وہ دل میں ان کا یقین رکھتے تھے۔

نیز فرمایا کہ جب ان کے پاس حق آیا تو انہوں نے اس کو نہ پہچانا بلکہ اس کا انکار کیا اور یہ

صرف اس وجہ سے ہوا کہ اپنا غلبہ ظاہر کیا جائے اور دوسروں کی تحقیر کی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اِن منکرین کا حال یوں بیان کیا ہے:۔

وقال الذين كفروا لا تسمعوا لهذا القران والغوا فيه لعلكم تغلبون ٥ (۴۱:۲۶)

یہ کافر باہم کہتے ہیں کہ اس قرآن کو سنو ہی مت اور اس کے (سناتے وقت) غل مچا دیا کرو شاید تم غالب آ جاؤ۔

متکبر کو ہر وقت عزت حاصل کرنے کی خواہش دامن گیر رہتی ہے اور متکبرانہ عزت حاصل کرنے کیلئے وہ ہمیشہ حق کو رد کر دیتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

واذا قيل له اتق الله اخذته العزة بالاثم (۲:۲۰۶)

اور جب اِس سے کہا جاتا ہے کہ خدا کا خوف کرو تو نخوت اِس کو گناہ پر آمادہ کر دیتی ہے۔

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ جب انہوں نے اِس آیت کی تلاوت فرمائی تو فرمایا۔

انا لله وانا اليه راجعون۔(۲:۱۵۶)

ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے امر بالمعروف کیا تو اسے قتل کر دیا گیا اور فرمایا کہ ان لوگوں کو قتل کر دیتے ہیں جو عوام میں عدل کا حکم کرتے ہیں۔ جو شخص متکبر ہوتا ہے اور اس شخص کو قتل کر ڈالتا ہے جو اِسے نیکی کا حکم دیتا ہے یا اس کی مخالفت کرتا ہے اور اس کی وجہ تکبر ہوتی ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد دیکھو:۔

واذا بطشتم بطشتم جبارين(۲۶:۱۳۰)

اور جب تم کسی پر دار و گیر کرتے ہو تو بالکل ظالم بن کر کرتے ہو۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ کسی آدمی کو گنہگار ہونے کیلئے یہی بات کافی ہے کہ

جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈرتو وہ یہ جواب دے کہ تم اپنی خبر لو،تم مجھ سے یہ بات کہتے ہو۔

ایک شخص سے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے دائیں ہاتھ سے کھانا کھایا کرو۔ اِس نے جواب دیا کہ مجھے اس بات کی قدرت نہیں ہے۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا: ''**لا استطعت** '' یعنی تجھے کبھی قدرت نہ ہو۔اس کے بعد فرمایا کہ اس شخص کو تکبر نے میری بات ماننے سے روک دیا۔راوی کہتا ہے کہ اِس کے بعد واقعی اس شخص کا یہ حال ہو گیا کہ وہ اپنے منہ تک ہاتھ نہیں اُٹھا سکتا تھا۔یہ روایت سلمہ ابن اکوع ؓ نے آنحضرت ﷺ سے نقل کی ہے کہ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ میں دوسروں سے بہتر ہوں اور انہیں ذلیل اور حقیر جانتا ہے یا کسی حق بات کو رد کر دیتا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ حق ہے تو اس نے اپنے اور خلق کے درمیان والا تکبر اختیار کیا۔اور کبھی یہی تکبر جو بندے اور دوسری مخلوق کے درمیان ہوتا ہے، انسان کو اپنے اور باری تعالیٰ کے درمیان والے تکبر تک پہنچا دیتا ہے، جیسا کہ ابلیس کے طرزِ عمل سے ظاہر ہے۔

ابن عجلان فرماتے ہیں کہ ابلیس نے صرف اتنی ہی بات کہی تھی کہ میں آدم سے بہتر ہوں۔ پس جب اس کی یہ رائے ہوئی کہ میں آدم سے بہتر ہوں،تو اس نے تکبر اختیار کیا کہ میں کیسے سجدہ کر سکتا ہوں، حالانکہ وہ جانتا تھا کہ یہ ہلاکت کی بات ہے کیونکہ اِس نے باری تعالیٰ کے حکم کو رد کر دیا، چنانچہ اِس نے نافرمانی کرتے ہوئے ''**لا اسجدہ** '' کہا (میں اسے سجدہ نہیں کروں گا) اس فعل کا سبب تکبر تھا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ میں آدم سے برتر ہوں کیونکہ میری اصل آگ ہے اور آدم کی اصل مٹی ہے اور آگ، مٹی سے زیادہ قوی ہے کیونکہ وہ مٹی کو کھا جاتی ہے۔ابلیس کی اس غلط فہمی کی وجہ یہ تھی کہ وہ باری تعالیٰ کی ذات کو نہ پہچان سکا اور آدم سے نفرت کرتا تھا۔آدم کے مقابلے میں تکبر نے اسے اس حد تک پہنچا دیا کہ اِس نے باری تعالیٰ کی نافرمانی کی۔اِس بناء پر وہ

کافر ہوگیا اور باری تعالیٰ نے اِسے لعین قرار دے دیا۔

آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد جو آپ (ﷺ) نے ثابت بن قیس بن شماسؓ کے سوال کے جواب میں فرمایا، اِس تمام کیفیت کا جامع ہے۔ حضرت ثابتؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے جمال محبوب ہے، کیا یہ کبر کی علامت ہے؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا ''نہیں۔ کبر اُس بات کا نام ہے جو کہ حق تعالیٰ کے مقابلے میں ہو اور انسان دوسروں کو حقیر جانے''۔ دوسری حدیث میں مضمون یہی ہے مگر الفاظ بدلے ہوئے ہیں۔

پس جو شخص تکبر اختیار کرے اور حق تعالیٰ کا حکم قبول کرنے میں ناک بھوں چڑھائے اور اس بات سے بچنا چاہے کہ حق تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے کو ذلیل اور خاضع بنائے تو اس نے تکبر کی وہ قسم اختیار کر لی جو اللہ اور بندے کے درمیان ہے اور جس شخص نے یہ سمجھا کہ میں دوسروں سے بہتر ہوں اور ان کو حقیر جانتے ہوئے حق بات کو رد کر دیا، حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ بات حق ہے تو اس نے تکبر کی وہ قسم اختیار کی جو اپنے اور بندوں کے درمیان ہے۔ خوب سمجھ لو کہ کبر کی اصل یہ ہے کہ ایک شخص اپنے آپ کو جان لینے کے بعد رد کر دے۔ یہ تکبر کی تمام اقسام کو جامع ہے۔ (جاری)

سالانہ اِجتماع

15,14,13 اپریل 2007ء

بروز جمعہ، ہفتہ اور اتوار کو ہوگا

سلطان مراد اور غریب معمار

(ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی)

عربی زبان میں ''العدل'' (عین کے کرہ کے ساتھ) جانور کی پیٹھ پر لدے ہوئے ایک طرف کے بوجھ کو کہتے ہیں۔ جو دوسری طرف کے بوجھ کے برابر ہوتا ہے۔ گویا عدل کے معنی ہیں، مساوی اور برابر ہونا۔ اسی لئے معاشرتی تنازعات میں انصاف اور مساوات کی بنیاد پر فیصلہ کر نے کو عدالت کہا جاتا ہے۔

عدل وانصاف انسانی معاشرے میں ریڑھ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جس طرح ریڑھ کی ہڈی کے بغیر ایک انسان کھڑا نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح عدل وانصاف کے بغیر کوئی انسانی معاشرہ بھی قائم نہیں رہ سکتا۔ خالق کائنات نے جس طرح اپنی اس کائنات کی بنیاد عدل وتوازن پر قائم فرمائی ہے اسی طرح اس کا یہ بھی منشاء ہے کہ اس کے تمام بندے بھی اپنی معاشرتی 'سیاسی اور معاشی زندگی کو اسی نظام عدل کی اساس پر استوار کریں۔ سورۃ ''الحدید'' کی ایک آیہ کریمہ سے اس حقیقت کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔ جس میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو دنیا میں اسی غرض سے بھیجا اور ان پر کتاب بھی اسی لئے نازل فرمائی کہ دنیا کے لوگ عدل انصاف پر قائم رہیں۔ ارشاد فرمایا:

''ہم نے اپنے رسولوں کو صاف نشانیوں اور واضح ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی' تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں'' (۵۷:۲۵)

اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ میں ایک بلند اور عزت والا نام ''العدل'' بھی ہے۔ جس کے معنی ہیں انصاف کرنے والا۔ اسی طرح حدیث شریف میں ہے ''اپنے اندر اللہ کے اخلاق پیدا کرو'' گویا اللہ تبارک وتعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ اس کے بندے بھی پوری طرح صفت عدل سے متصف ہوں۔ خواہ وہ حاکم ہوں یا محکوم وہ ہر حال میں عدل وانصاف کو اپنا شعار بنائیں۔

اگر ہم اس کارخانہ حیات پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اس کائنات کے نظام میں بھی عدل ہی کا اصول کارفرما ہے۔ مثلاً پانی (water) کا کیمیائی تجربہ ثابت کرتا ہے کہ جب تک ہائیڈروجن کے 33 سالمے (Molecules) آکسیجن کے ایک سالمے کے ساتھ مخصوص حالت میں نہ ملائے جائیں۔ پانی وجود میں نہیں آتا۔ اسی طرح ہوا (wind) ہے۔ اس میں بھی مختلف عناصر

یعنی آکسیجن، نائٹروجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ وغیرہ میں خاص تناسب موجود ہے۔ اگر ان میں ذرا سا بھی بگاڑ یا عدم توازن پیدا ہو جائے تو انسان، حیوان اور نباتات سب کا زندہ رہنا ناممکن ہو جائیگا۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بے حد پیار فرماتا ہے۔ اس لئے اس کا منشاء یہ ہے کہ بندے بھی انسانی معاشرے میں اس طرح صفت عدل کو قائم رکھیں۔ عدل کی ضد ظلم ہے جس سے انسانی معاشرے کا اطمینان غارت ہو جاتا ہے۔ لہٰذا عدل کے جادہ اعتدال ہی کا نام "صراط مستقیم" ہے یہی تمام انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کا راستہ ہے۔ خود نبی آخرالزماں حضرت محمد رسول ﷺ نے اعلان فرمایا، جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے۔

"اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ (میں) تمہارے درمیان عدل کروں"۔ (۱۵:۴۲)

ایک دفعہ قبیلہ بنی مخزوم کی ایک مالدار عورت چوری کے الزام میں بارگاہ نبوی ﷺ میں پیش ہوئی۔ اس پر بعض لوگوں نے اس کے مال دار اور بااثر ہونے کے باعث باہم مشورہ کیا کہ کون ہے جو اس (عورت) کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر گفتگو کرے تاکہ یہ بااثر عورت ہاتھ کٹنے کی سزا سے بچ جائے۔ لیکن کسی کو بھی اس کی جرات نہ ہوئی۔ آخر مشکل سے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو اس مقصد کی خاطر آمادہ کیا گیا۔

لوگوں کا خیال تھا کہ اسامہ سے حضور ﷺ چونکہ بہت محبت فرماتے ہیں، اس لئے یہ حضور ﷺ سے سفارش کریں گے تو اس کا اچھا اثر ہوگا۔ لیکن اسامہ کی بات سن کر رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی ہوتی، تو اس جرم میں اسکے ہاتھ بھی کاٹے جاتے"

اسلامی معاشرہ میں تمام انسان، حقوق انسانی کے لحاظ سے برابر ہیں۔ وہاں کوئی چھوٹا یا بڑا اور ادنیٰ یا اعلیٰ نہیں ہے۔ اسلامی قانون کی نظر میں صدر ریاست اور ایک عام کسان یا مزدور سب برابر ہیں۔ صدر ریاست کیلئے کوئی الگ قانون نہیں ہے۔ اس سے جرم سرزد ہوگا تو اسے بھی قانون کے مطابق سزا ملے گی۔ اسلامی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ نے "اسرار و رموز" میں سلطان مراد اور ایک معمار کا واقعہ لکھا ہے جس سے اسلامی مساوات کا حال بخوبی معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علامہ اقبالؒ یہ تاریخی حکایت اس طرح بیان کرتے ہیں:

بود معمارے زاقلیم خجند

در فن تعمیر نام اوبلند

ساخت آں صنعت گر فرہاد زاد

مسجدے ازحکیم سلطان مراد

خوش نیامد شاہ را تعمیر او

خشمگیں گردید از تقصیر او

آتش سوزندہ او ختمش چکید

دست آں بیچارہ ازخنجر برید

ترکستان میں دریائے سیحوں کے کنارے واقع شہر خجند میں ایک معمار جس کا نام فن تعمیر میں بلند تھا۔اس فرہادزادصنعت گرنے سلطان مراد کے حکم سے ایک مسجد تعمیر کی۔لیکن بادشاہ کواس کی تعمیر پسند نہ آئی اوروہ (اس سلسلے میں)اس کی کوتاہی دیکھ کر غصے میں آ گیا۔بادشاہ کی آنکھوں سے غصہ میں شرارے نکلنے لگے۔اس نے اس معمار کا ہاتھ خنجر سے کاٹ دیا۔

جوئے خوں از ساعد معمار رفت

پیش قاضی ناتواں وزار رفت

آں ہنر مندے کہ دستش سنگ رفت

داستان جور سلطان باز گفت

گفت اے پیغام حق گفتار تو

حفظ آئین محمد کار تو

حلقہ گوش سطوت شاہاں نیم

قطع کن از روئے قرآں دعویم

معمار کی کلائی سے خون کی ندی بہ نکلی اوروہ کمزوروناتواں شخص قاضی کے سامنے جا کر پیش ہوگیا۔وہ ہنرمند جس کا ہاتھ پتھر ہوتا تھا۔اس نے قاضی کے سامنے سلطان کے ظلم کی داستان بیان کی اور کہا آپ کی زبان حق تعالیٰ کے پیغام کی ترجمان ہے اور شریعت محمد ﷺ کا تحفظ آپ کی ذمہ داری ہے۔(میں مردآزادہوں)بادشاہوں کی سطوت کا غلام نہیں ہوں۔قرآن پاک کی

رو سے میرے دعوے کا فیصلہ کیجئے۔

قاضی عادل بدنداں خستہ لب
کرد شہ را در حضور خود طلب
رنگ شہ از ہیبت قرآں پریدہ
پیش قاضی چوں خطا کاراں رسید
از خجالت دیدہ برپا دوختہ
عارض او لالہ ہا اندوختہ
یک طرف فریادی دعویٰ گرے
یک طرف شاہنشہے گردوں فرے

عادل قاضی (غصے سے) اپنے ہونٹ کاٹنے لگا۔اس نے فوراً بادشاہ کو اپنے حضور طلب کیا ہیبت قرآن پاک سے شاہ کا رنگ اڑ گیا اور وہ مجرموں کی طرح قاضی کے سامنے پیش ہوا۔شرم کے مارے اس کی نگاہیں اس کے پاؤں پر جمی تھیں اور اس کے رخسار سرخ ہو رہے تھے۔(قاضی کی عدالت میں) ایک طرف فریادی اپنا دعویٰ لئے کھڑا تھا اور دوسری طرف بلند مرتبہ بادشاہ۔

گفت شہ از کردہ خجلت بردہ ام
اعتراف از جرم خود آوردہ ام
گفت قاضی فی القصاص آمد حیات
زندگی گیرد بایں قانوں ثبات
عبد مسلم کمتر از احرار نیست
خون شہ رنگیں تراز معمار نیست
چوں مراد ایں آیہ محکم شنید
دست خویش از آستیں بیروں کشید

بادشاہ نے کہا میں اس کئے پر شرمندہ ہوں اور مجھے اپنے جرم کا اعتراف ہے۔قاضی نے کہا زندگی کا دارومدار قانون قصاص پر ہے۔اسی قانون سے زندگی استحکام پاتی ہے۔ایک مسلمان غلام آزاد سے کم تر نہیں۔نہ بادشاہ کا خون معمار کے خون سے زیادہ سرخ ہے۔جب سلطان مراد

نے (قرآن حکیم کی) یہ آیہ محکم سنی تو اس نے اپنی آستیں سے ہاتھ نکال کر آگے بڑھا دیا۔

مدعی را تاب خاموشی نماند
آیہ بالعدل والاحساں بخواند
گفت از بہر خدا بخشید مش
از برائے مصطفیٰ بخشید مش
یافت مورے برسلیمانے ظفر
سطوت آئیں، پیغمبرؐ نگر
پیش قرآں بندہ و مولا یکے است
بوریا و مسند دیبا یکے است

یہ دیکھ کر مدعی خاموش نہ رہ سکا۔اس نے عدل و احسان کی آیت پڑھی اور کہا میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب رسول ﷺ کی خاطر بادشاہ کو معاف کیا۔(آخر میں علامہ اقبال کہتے ہیں) جناب رسول پاکؐ کے آئین کی شان دیکھ کر اس کی بدولت چیونٹی نے سلیمان پر فتح پائی۔قرآن کی نظر میں آقا و غلام برابر ہیں۔کوئی بوریا نشین ہو یا تخت شاہی کا وارث ان میں کوئی فرق نہیں۔اسلامی معاشرہ میں تمام انسان حقوق کے اعتبار سے برابر ہیں۔کیونکہ عدل کے معنی یہ ہیں کہ ہر شخص کو اس کا ٹھیک ٹھیک حق ملے۔اگر کوئی ظلم سے کسی کا حق غصب کرے تو اپنے جرم کے مطابق ٹھیک ٹھیک اس کی سزا پائے۔یہی وجہ ہے کہ اسلام میں صیغہ عدل کی اہمیت زیادہ ہے۔دنیا کا کوئی انسانی قانون اس کی ہمسری نہیں کر سکتا۔آج دنیا میں اگر کہیں معاشرتی انصاف نظر آتا ہے تو وہ اسلام ہی سے مستعار لیا گیا ہے اور اگر اسلامی ممالک آج خود اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہیں تو یقیناً وہ اپنے ہی اسلامی اصولوں کو فراموش کئے ہوئے ہیں۔اس بات کو ان کی بدقسمتی اور بدنصیبی ہی کہا جا سکتا ہے۔

اسلام کا منشاء یہ ہے کہ عدل و انصاف معاشرے کے تمام لوگوں کو بلا قیمت اور فوری طور پر میسر آئے اور اس کے حصول میں انسان کو کسی قسم کی کوئی دقت پیش نہ آئے۔ایسا انصاف جس کے حصول کی خاطر عمر خضر اور خزانہ قارون درکار ہو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کے

دین کے بالکل خلاف ہے۔اس طریقہ کو آپ کچھ بھی کہہ لیں اسلامی ہرگز نہیں کہہ سکتے۔

اسلام انصاف وعدل کی راہ میں گواہی (یعنی شہادت) کو چھپانے، اور حق کے خلاف گواہی دینے کے سخت خلاف ہے۔اگرچہ یہ گواہی خود اپنے والدین یا قریبی عزیزوں ہی کے خلاف کیوں نہ ہو۔سورۃ النساء میں ارشاد ربانی ہے:

''اے ایمان والو! انصاف پر (کامل) پختگی کے ساتھ قائم رہنے والے اور اللہ کیلئے گواہی دینے والے بنو۔چاہے وہ تمہارے یا (تمہارے) والدین اور عزیزوں کے خلاف ہو۔وہ امیر ہو یا مفلس۔اللہ دونوں سے زیادہ حق دار ہے۔(دیکھو) تم خواہش نفس کی پیروی نہ کرنا کہ (راہ حق سے) ہٹ جاؤ اور اگر تم کجی (اختیار) کرو گے یا (حق سے) پہلو تہی کرو گے تو جو کچھ تم کررہے ہو، اللہ اس سے خوب خبر دار ہے'' (النساء:۱۳۵)

انسانی معاشرے میں ظلم ڈھانے والا ایک انسان خواہ وہ کوئی بھی ہو۔رحمت خداوندی سے کس قدر دور ہے۔اس کا اندازہ اس حدیث نبوی سے ہوتا ہے جس میں ارشاد فرمایا کہ جنت میں داخلہ صرف اسی شرط پر ہوگا کہ داخل ہونے والا ظالم نہ ہو اور اس نے انسانوں پر کوئی ظلم نہ کیا ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ عدل وانصاف کے بغیر کسی بھی انسان کیلئے نجات اُخروی اور رحمت خداوندی کا حصول ممکن نہیں۔اس کی تائید قرآن حکیم کی اس آیہ کریمہ سے بھی ہوتی ہے فرمایا۔

''یقیناً ظلم کرنے والے (ہرگز) فلاح نہیں پائیں گے''۔(136:6)

ممکن ہے کسی ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ جب عدل وانصاف کی اس قدر اہمیت ہے تو پھر ظالم انسان کو دنیا میں اِس کے ظلم کی سزا فوراً کیوں نہیں ملتی۔تو بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو کسی کے بھی عمل سے غافل نہیں ہے۔لیکن دنیا میں خالق کا قانون مہلت بھی کام کررہا ہے۔جیسا کہ قران مجید میں ہے:۔

''اور (تم یہ) گمان نہ کرو کہ اللہ ظالموں کے عمل سے غافل ہے وہ تو انہیں ڈھیل دے رہا ہے (اس سخت) دن تک جس میں نظریں پتھرا جائیں گی''۔(42:14)

قرآن خدا کی آواز

(مولانا وحیدالدین خاں)

پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی ایک حدیث ہے:۔
''پیغمبروں میں سے ہر پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے ایسے معجزات دیئے جن کو دیکھ کر لوگ ایمان لائے اور مجھ کو جو معجزہ عطا ہوا ہے، وہ قرآن ہے''۔ (بخاری، باب الاعتصام)
یہ ارشاد ہماری تلاش کے صحیح رُخ کو متعین کرتا ہے، وہ بتاتا ہے کہ رسول کی رسالت کو پہچاننے کیلئے آج ہمارے پاس جو سب سے بڑا ذریعہ ہے وہ کتاب ہے، جس کو رسول نے یہ کہہ کر پیش کیا تھا کہ وہ اس کے پاس خدا کی طرف سے اُتری ہے، قرآن رسول کا نمائندہ بھی ہے اور رسول کے رسول برحق ہونے کی دلیل بھی۔
قرآن کی وہ کیا خصوصیات ہیں، جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ وہ خدا کی طرف سے اترا ہے اس کے بہت سے پہلو ہیں، یہاں میں چند پہلوؤں کا مختصراً ذکر کروں گا۔
ا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی چیز جو قرآن کے طالب علم کو متاثر کرتی ہے، وہ قرآن کا چیلنج ہے جو چودہ سو برس پہلے سے دنیا کے سامنے ہے مگر آج تک اس کا جواب نہ دیا جا سکا قرآن میں بار بار یہ اعلان کیا گیا ہے کہ جو لوگ قرآن کے کتاب الٰہی ہونے کے بارے میں مشتبہ ہیں اور اس کو محض اپنے جیسے ایک انسان کی تصنیف سمجھتے ہیں وہ ایسی ایک کتاب بنا کر پیش کریں، بلکہ اس کے جیسی ایک سورت ہی بنا کر دکھادیں۔
وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداء کم من دون اللہ ان کنتم صادقین۔ اپنے بندے پر اپنا جو کلام ہم نے اتارا ہے اگر اس کے (کلام الٰہی ہونے کے) بارے میں تمہیں شبہ ہے تو اس کے جیسی ایک سورہ لکھ کر لے آؤ اور خدا کے سوا اپنے تمام شہداء کو بھی بلا لو، اگر تم اپنے خیال میں سچے ہو۔ (بقرہ۔۲۳)
یہ ایک حیرت انگیز دعویٰ ہے جو ساری انسانی تاریخ میں کسی بھی مصنف نے نہیں کیا اور نہ بقید ہوش وحواس کوئی مصنف ایسا دعویٰ کرنے کی جرات کر سکتا، کیونکہ کسی بھی انسان کیلئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ ایک ایسی کتاب لکھ دے جس کے ہم پایہ کتاب دوسرے انسان نہ لکھ سکتے ہوں۔

ہر انسانی تصنیف کے جواب میں اسی درجہ کی دوسری انسانی تصنیف تیار کی جا سکتی ہے، قرآن کا یہ کہنا کہ وہ ایک ایسا کلام ہے، جیسا کلام انسانی ذہن تخلیق نہیں کر سکتا، اور ڈیڑھ ہزار برس تک کسی انسان کا اس پر قادر نہ ہونا قطعی طور پر ثابت کر دیتا ہے کہ یہ ایک غیر انسانی کلام ہے یہ خدائی منبع (DIVINE ORIGIN) سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں اور جو چیز خدائی منبع سے نکلی ہو اس کا جواب کون دے سکتا ہے۔

تاریخ میں چند مثالیں ملتی ہیں جبکہ اس چیلنج کو قبول کیا گیا، سب سے پہلا واقعہ لبید بن ربیعہ کا ہے جو عربوں میں اپنے قوت کلام اور تیزی طبع کیلئے مشہور تھا، اس نے جواب میں ایک نظم لکھی جو کعبہ کے پھاٹک پر آویزاں کی گئی اور یہ ایک ایسا اعزاز تھا جو صرف کسی اعلیٰ ترین شخص ہی کو ملتا تھا اس واقعہ کے جلد ہی بعد کسی مسلمان نے قرآن کی ایک سورہ لکھ کر اس کے قریب آویزاں کر دی لبید (جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے) جب اگلے روز کعبہ کے دروازہ پر آئے اور سورہ کو پڑھا تو ابتدائی فقروں کے بعد ہی وہ غیر معمولی طور پر متاثر ہوئے اور اعلان کیا کہ بلاشبہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے، اور میں اس پر ایمان لاتا ہوں حتیٰ کہ عرب کا یہ مشہور شاعر قرآن کے ادب سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس کی شاعری چھوٹ گئی، بعد کو ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ان سے اشعار کی فرمائش کی تو انہوں نے جواب دیا۔

"جب خدا نے مجھے بقرہ اور آل عمران جیسا کلام دیا ہے تو اب شعر کہنا میرے لئے زیبا نہیں" (استیعاب ابن عبدالبر، ترجمہ لبید)

دوسرا اس سے زیادہ عجیب واقعہ ابن المقفع کا ہے جس کو نقل کرتے ہوئے ایک مستشرق WOLLASTON لکھتا ہے۔

THAT MUHAMMAD's BOAST AS TO THE LITERARY EXCELLENCE OF THE QURAN WAS NOT UNFOUNDED IS FURTHER EVIDENCED BY A CIRCUMSTANCE WHICH OCCURRED ABOUT A CENTURY AFTER THE ESTABLISHMENT OF ISLAM

(MUHAMMAD HIS LIFE AND DOCTRINES 'P' 143)

یعنی یہ بات کہ قرآن کے اعجاز کلام کے بارے میں محمد کی شیخی غلطی نہیں تھی یہ اس واقعہ سے ثابت ہوجاتا ہے جو اسلام کے قیام کے سو سال بعد پیش آیا۔

واقعہ یہ ہے کہ منکرین مذہب کی ایک جماعت نے یہ دیکھ کر کہ قرآن لوگوں کو بڑی شدت سے متاثر کررہا ہے یہ طے کیا کہ اس کے جواب میں ایک کتاب تیار کی جائے انہوں نے اس مقصد کے لئے ابن المقفع (م ۷۲۷ء) سے رجوع کیا جو اس زمانے کا ایک زبردست عالم، بے مثال ادیب اور غیر معمولی ذہین وطباع آدمی تھا، ابن مقفع کو اپنے اوپر اتنا اعتماد تھا کہ وہ راضی ہوگیا، اس نے کہا کہ میں ایک سال میں یہ کام کردوں گا البتہ اس نے یہ شرط لگائی کہ اس پوری مدت میں اس کی تمام ضروریات کا مکمل انتظام ہونا چاہئے تا کہ وہ کامل یکسوئی کے ساتھ اپنے ذہن اپنے کام میں مرکوز رکھے۔

نصف مدت گزر گئی تو اس کے ساتھیوں نے جاننا چاہا کہ اب تک کیا کام ہوا ہے وہ جب اس کے پاس گئے تو انہوں نے اس کو اس حال میں پایا کہ وہ بیٹھا ہوا ہے۔ قلم اس کے ہاتھ میں ہے، گہرے مطالعہ میں مستغرق ہے، اس مشہور ایرانی ادیب کے سامنے ایک سادہ کاغذ پڑا ہوا ہے، اس کی نشست کے پاس لکھ لکھ کر پھاڑے ہوئے کاغذات کا ایک انبار ہے اور اسی طرح سارے کمرہ میں کاغذات کا ڈھیر لگا ہوا ہے، اس انتہائی قابل اور فصیح اللسان شخص نے اپنی بہترین قوت صرف کرکے قرآن کا جواب لکھنے کی کوشش کی، مگر وہ بری طرح ناکام رہا، اس نے پریشانی کے عالم میں اعتراف کیا کہ صرف ایک فقرہ لکھنے کی جدوجہد میں اس کے چھ مہینے گزر گئے مگر وہ لکھ نہ سکا، چنانچہ ناامید اور شرمندہ ہوکر وہ اس خدمت سے دست بردار ہوگیا۔

اس طرح قرآن کا چیلنج بدستور آج تک قائم ہے اور صدیوں پر صدیاں گزر گئیں مگر کوئی اس کا جواب نہ دے سکا، قرآن میں یہ ایک حیرت انگیز خصوصیت ہے جو بلا اشتباہ یہ ثابت کرتی ہے کہ یہ مافوق ہستی کا کلام ہے، اگر آدمی کے اندر وفی الواقع سوچنے کی صلاحیت ہو تو یہی واقعہ ایمان لانے کے لئے کافی ہے۔

قرآن کے اس معجزانہ کلام کا نتیجہ تھا کہ عرب کے لوگ جو فصاحت و بلاغت میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، اور جن کو اپنے کلام کی برتری کا اتنا احساس تھا کہ عرب کے سوا بقیہ دنیا کو عجم (گونگا) کہتے تھے، وہ قرآن کے کلام کے آگے جھکنے پر مجبور ہو گئے، تمام لوگوں کو اس کے برتر ادب کا اعتراف کرنا پڑا، ضماد ازدی نام کے ایک عرب آپ کے پاس آئے، وہ ابھی اسلام نہیں لائے تھے، آپ نے انہیں قرآن کا کچھ حصہ پڑھ کر سنایا، وہ سن کر حیران رہ گئے ان کی زبان سے بے اختیار یہ فقرہ نکلا۔

خدا کی قسم میں نے کاہنوں کی بولی، جادوگروں کے منتر اور شاعروں کے قصائد سنے ہیں، مگر تمہارا کلام کچھ اور ہی ہے، یہ تو سمندر تک میں اثر کر جائے گا۔ (مسلم، باب تخفیف الصلوۃ)

اس طرح کے بے شمار اعتراف ہیں جو قدیم تاریخ میں بھی موجود ہیں اور حال کے واقعات میں بھی۔

۲۔ دوسری چیز جس کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں، وہ قرآن کی پیشین گوئیاں ہیں، یہ پیشین گوئیاں حیرت انگیز طور پر بالکل صحیح ثابت ہوئیں۔

تاریخ میں ہمیں بہت سے ایسے ذہین اور حوصلہ مند لوگ ملتے ہیں جنھوں نے اپنے یا دوسرے کے بارے میں پیشین گوئی کی جرات کی ہے مگر ہمیں معلوم ہے کہ زمانے نے کبھی ایسے لوگوں کی تصدیق نہیں کی، موافق حالات غیر معمولی صلاحیت، اعوان و انصار کی کثرت اور ابتدائی کامیابیوں نے اکثر لوگوں کو اس دھوکے میں ڈال دیا ہے کہ وہ ایک ایسے انجام کی طرف بڑھ رہے ہیں جو عین اس کی مرضی کے مطابق ہے انہوں نے فوراً ایک یقینی انجام کا دعویٰ کر دیا مگر تاریخ نے ہمیشہ اس قسم کے دعوؤں کی تردید کی ہے، اس کے برعکس بالکل مخالف اور ناقابل قیاس حالات میں بھی قرآن کے الفاظ اس طرح صحیح ثابت ہوئے کہ ان کی توجیہ کے لئے تمام انسانی علوم بالکل ناکافی ہیں، ہم انسانی تجربات کی روشنی میں کسی طرح ان کو سمجھ نہیں سکتے ان کی توجیہ کی واحد صورت صرف یہ ہے کہ ان کو غیر انسانی ہستی کی طرف منسوب کیا جائے۔

نپولین بوناپارٹ اپنے وقت کا عظیم جنرل تھا، اس کی ابتدائی کامیابیاں بتاتی تھیں کہ وہ سیزرا اور اسکندر کے لئے بھی ایک قابل رشک فاتح ثابت ہوگا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نپولین کے ذہن میں یہ خیال پرورش پانے لگا کہ وہ تقدیر کا مالک ہے اس کو اپنے اوپر اتنا اعتماد ہوگیا کہ اپنے قریبی مشیروں تک کے مشورے کو قبول کرنا اس نے چھوڑ دیا، اس کا کہنا تھا کہ کامل غلبہ کے سوا میرا کوئی دوسرا انجام نہیں ہوسکتا، مگر اس کا جو انجام ہوا وہ سب کو معلوم ہے، ۱۲ جون ۱۸۱۵ء کو نپولین اپنی سب سے بڑی فوج لے کر پیرس سے روانہ ہوا کہ دشمن کو اس کے راستے ہی میں ختم کردے اس کے چھ دن بعد واٹرلو (بلجیم) میں ڈیوک آف ولنگٹن (DUKE OF WELLINGTON) نے خود اس کو فیصلہ کن شکست دینے میں کامیابی حاصل کی، جو اس وقت برطانیہ، ہالینڈ اور جرمنی کی فوجوں کی قیادت کر رہا تھا، اب نپولین کی ساری امیدیں ختم ہوگئیں، وہ اپنا تخت چھوڑ کر امریکہ کے ارادے سے بھاگ کھڑا ہوا، مگر ابھی ساحل پر پہنچا تھا کہ دشمن کے نگراں دستوں نے اسے پکڑ لیا اور اس کو مجبور کیا کہ وہ ایک برطانوی جہاز پر سوار ہو، اس کے بعد اس کو جلاوطنی کی زندگی گزارنے کے لئے جنوبی اٹلانٹک کے جزیرہ سینٹ ہیلینا پہنچا دیا گیا، جہاں وہ تنہائی اور تلخ حالات میں پڑا پڑا ۵ مئی ۱۸۲۱ء کو مر گیا۔

مشہور کمیونسٹ مینی فسٹو جو ۱۸۴۸ء میں شائع ہوا، اس میں سب سے پہلے جس ملک میں اشتراکی انقلاب کی امید ظاہر کی گئی تھی وہ جرمنی ہے مگر ایک سو بیس سال گزرنے کے بعد بھی جرمنی اب تک اس انقلاب سے ناآشنا ہے، مئی ۱۸۴۹ء میں کارل مارکس نے لکھا تھا، سرخ جمہوریت پیرس کے اوپر سے جھانک رہی ہے، اس پیشین گوئی کو ایک صدی سے زیادہ مدت گزر گئی، مگر ابھی تک پیرس کے اوپر سرخ جمہوریت کا آفتاب نہیں نکلا، اڈولف ہٹلر نے ۱۴ مارچ ۱۹۳۶ء کو میونخ کی مشہور تقریر میں کہا تھا۔

میں اپنے راستہ پر اعتماد کے ساتھ چل رہا ہوں کہ غلبہ میرے حق میں مقدر ہو چکا ہے۔

مگر ساری دنیا جانتی ہے کہ جرمنی کے اس عظیم ڈکٹیٹر کے حق میں جو چیز مقدر تھی وہ یہ کہ شکست کھائے اور خودکشی کرکے اپنی جان دے، خود اپنے ملک میں ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ جنوری

۱۹۵۴ء میں مدورا میں کمیونسٹ پارٹی کی تیسری کانگرس کے موقع پر کمیونسٹ لیڈر مسٹر پی، سی، جوشی نے اعلان کیا تھا کہ ہندوستان کے آئندہ عام الیکشن میں کمیونسٹ پارٹی ٹراونکور، کوچن، (کیرالا) مدراس، آندھرا، مغربی بنگال اور آسام میں اپنی وزارت بنالے گی، اس کے بعد کئی الیکشن آئے اور چلے گئے، مگر حالات نے ان الفاظ کی تصدیق نہیں کی اس طرح کی بے شمار مثالوں کے ہجوم میں صرف کتاب الٰہی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس نے جس جس چیز کی پیشین گوئی کی وہ حرف بحرف پوری ہوئی یہ واقعہ اس بات کے ثبوت کے لئے کافی ہے کہ یہ کلام ایسے مافوق ذہن سے نکلا ہے جس کے قبضہ میں حالات کی باگ ڈور ہے اور جو ازل سے ابد تک کی خبر رکھتا ہے۔

یہاں میں صرف دو پیشین گوئیوں کا ذکر کروں گا، ایک خود پیغمبر اسلام کا غلبہ دوسرے رومیوں کی دوبارہ فتح کی پیشین گوئی۔

ا۔محمد (ﷺ) نے اسلام کی دعوت شروع کی تو تقریباً تمام عرب آپ کا مخالف ہو گیا ایک طرف مشرک قبائل تھے جو آپ کے جانی دشمن ہو گئے دوسری طرف یہودی سرمایہ دار تھے جو ہر قیمت پر آپ کو ناکام کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے تیسری طرف منافقین تھے جو بظاہر مسلمان بنے ہوئے تھے مگر ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ کی جماعت میں گھس کر آپ کی تحریک کو اندر سے ڈائنامیٹ کریں۔اس طرح طاقت سرمایہ اور اندرونی سازش سہ طرفہ مخالفتوں کے طوفان میں آپ اس میں اپنی تحریک چلا رہے تھے کہ تھوڑے سے غلاموں اور کمزور لوگوں کے سوا کوئی آپ کا ساتھی نہ تھا، مکہ کے سربرآوردہ لوگوں میں سے گنتی کے چند آدمی جو آپ کا ساتھ دینے کے لئے نکلے ان کا بھی حال یہ ہوا کہ آپ کی طرف آتے ہی وہ اپنی برادری سے کٹ گئے اور ان کی قوم بھی اسی طرح دشمن ہو گئی جس طرح وہ خدا کے رسول کی دشمن تھی۔

یہ تحریک یوں ہی چلتی رہی یہاں تک کہ حالات اس قدر شدید ہو گئے کہ آپ اور آپ کے ساتھیوں کو اپنا وطن چھوڑ کر دوسرے علاقوں کی طرف ہجرت کر جانا پڑا اس طرح آپ اور آپ کے ساتھی جو پہلے ہی نہتے اور کمزور تھے، مدینے میں اس حالت میں جمع ہوئے کہ اپنے وطن میں جو کچھ ان کے پاس تھا وہ بھی چھن چکا تھا، مدینے میں ان لوگوں کی بے کسی کا کیا عالم تھا اس کا اندازہ

اس سے لگایئے کہ اپنے وطن کو چھوڑ کر مدینے میں آپ کے جو ساتھی جمع ہوئے تھے ان میں ایسے لوگ بھی تھے جن کے رہنے کے لئے کوئی باقاعدہ مکان نہیں تھا، وہ چھپر پڑے ہوئے ایک چبوترے پر زندگی گزارتے تھے اسی مناسبت سے ان کا نام ''اصحاب صفہ'' پڑ گیا، اس چبوترے پر مختلف اوقات میں جو لوگ رہے ان کی تعداد تقریباً چار سو بتائی جاتی ہے، حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ میں نے اصحاب صفہ میں سے ستر آدمیوں کو دیکھا ہے جن میں سے ہر شخص کا حال یہ تھا کہ اس کے پاس یا تو صرف ایک تہبند تھی یا صرف ایک چادر وہ اس کو اپنی گردن میں باندھ لیتا تھا، اور وہ اس کی پنڈلی تک لٹکتی رہتی تھی حضرت ابو ہریرہ اس زمانے کا خود اپنا حال بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں خاموش لیٹا رہتا تھا اور لوگ سمجھتے تھے کہ میں بیہوش ہوں، حالانکہ حقیقت صرف یہ تھی کہ مسلسل فاقے کی وجہ سے میں نڈھال ہو جاتا تھا اور مسجد میں جا کر لیٹ رہتا تھا۔

چند انسانوں کا یہ بے سرو سامان قافلہ مدینے کی زمین پر اس طرح پڑا ہوا تھا کہ ہر آن پر خطرہ تھا کہ چاروں طرف اس کے پھیلے ہوئے دشمن اس کو اچانک لے جائیں گے مگر خدا کی طرف سے بار بار آپ کو یہ بشارت آتی تھی کہ تم ہمارے نمائندے ہو اور تمہیں کوئی زیر نہیں کر سکتا (**کتب لا غلبن اناورسلی**) ساری مخالفوں کے **علی الرغم** اللہ تم کو غالب کر کے رہے گا۔

یریدون لیطفئوا نور اللّٰہ بافواھھم واللّٰہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون o

ھوالذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکین o

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ کا فیصلہ ہے کہ وہ اپنی روشنی کو مکمل کر کے رہے گا خواہ منکروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا، تا کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے خواہ شرک کرنے والوں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔ (صف۔۸۔۹)

اس دعوے کو تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ سارا عرب آپ کے قدموں کے نیچے آ گیا۔

تھوڑے سے نہتے اور بے سروسامان لوگ ان پر غالب آ گئے جو تعداد میں بہت زیادہ تھے، وقت جن کا ساتھ دے رہا تھا اور جن کے پاس ہتھیار اور ساز وسامان کا زبردست ذخیرہ موجود تھا۔

مادی اصطلاحات میں اس بات کی کوئی توجیہہ نہیں کی جا سکتی کہ آپ کو عین اپنی پیشین گوئی کے مطابق عرب کے لوگوں اور ہمسایہ ملکوں پر کیسے اتنا زبردست غلبہ حاصل ہو گیا، اس کی صرف ایک ہی توجیہہ ممکن ہے، وہ یہ کہ آپ خدا کے نمائندے تھے خدا نے اپنی مدد سے آپ کو آپ کے دشمنوں کے مقابلے میں غالب کیا اور آپ کے مشن کو اس حد تک کامیاب کیا کہ آپ کے دشمن آپ کے ساتھی بن گئے، غیر معمولی مخالفت اور زبردست دشمنوں کے مقابلے میں نبی امی کا عین اپنے دعوے کے مطابق کامیاب ہونا اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ آپ کے الفاظ تاریخ بن جائیں، ایسی تاریخ جس کی مثال سارے انسانی واقعات میں کوئی ایک بھی نہیں، جے، ڈبلیو، ایچ اسٹوبرٹ (J.W.H. STOBART) کے الفاظ میں "آپ کے پاس جتنے کم ذرائع تھے، اور جو وسیع اور مستقل کارنامہ آپ نے انجام دیا، اس کے اعتبار سے دیکھا جائے تو ساری انسانی تاریخ میں اتنا نمایاں طور پر درخشاں نام اور کوئی نظر نہیں آتا جتنا نبی عربی کا ہے۔

یہ آپ کے نمائندہ الٰہی ہونے کی ایسی حیرت انگیز دلیل ہے کہ سر ولیم میور (WILLIAM MUIR) جیسے شخص کو بھی بالواسطہ طور پر اس کا اعتراف کرنا پڑا:۔

"محمد ﷺ نے دشمنوں کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا، انہیں مٹھی بھر آدمیوں کے ساتھ دن رات اپنی کامیابی کا انتظار رہتا تھا، بظاہر بالکل غیر محفوظ، بلکہ یوں کہئے کہ شیر کے منہ میں رہ کر وہ ہمت دکھائی کہ اس کی نظیر اگر کہیں مل سکتی ہے تو صرف بائبل میں جہاں ایک نبی کے متعلق لکھا ہے کہ اُنہوں نے ایک موقع پر خدا سے کہا تھا کہ ۔۔۔۔ صرف میں ہی باقی رہ گیا ہوں"۔

(LIFE OF MOHMMED, P.228)

(جاری)

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی انفرادیت

1۔ دوسرے سلسلوں کی روحانی معراج اور آخری منزل کشف وکرامات کا حصول ہے لیکن ہمارے سلسلہ میں اُنکی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ ہمارے سلسلہ کا آخری مقصد اللہ کا قرب، عرفان اور لقاء کا حصول ہے۔

2۔ بزرگان عظام اور اولیائے کرام کی کرامات برحق اور انکی دعاؤں کی مقبولیت مسلم لیکن ہم مشکل کشاء اور حاجت روا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو مانتے ہیں۔

3۔ موجودہ دور کی مصروف زندگی کو مدنظر رکھتے ہوئے مختصر اور سہل اوراد واذکار تلقین کیئے جاتے ہیں۔

4۔ ہمارے سلسلہ میں مجاہدہ کیلئے غصہ اور نفرت کو مکمل طور پر نفی کرنے اور عالمگیر محبت اور صداقت کو اختیار کرنے کی مشق کروائی جاتی ہے۔ یہ تربیت گھر کی چار دیواری کے اندر احسن طریقے سے ہوسکتی ہے۔

5۔ بانی سلسلہ توحیدیہ کے وصیت نامہ کے مطابق سلسلہ توحیدیہ کے روحانی پیشوا کا منصب ہمیشہ ہمیشہ کیلئے غیر وارثتی ہوگا۔

6۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیم مذہبی گروہ بندیوں اور فرقہ واریت سے بالاتر اور وسعت قلب ونظر کی مظہر ہے۔

7۔ ہمارے سلسلہ میں مریدوں کی تعداد بڑھانے کیلئے اندھا دھند بیعت نہیں کیا جاتا ہر شخص کو بیعت کرنے سے پہلے کم از کم چھ ماہ طالب رکھا جاتا ہے تاکہ وہ جماعت کے مقاصد سے اچھی طرح آگاہ ہوکر داخل سلسلہ ہو۔

8۔ سلسلہ توحیدیہ میں متوازی زندگی بسر کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ جس میں نہ تو دنیا کو ترک کرنے کی اجازت ہے اور نہ ہی اِس میں غرق ہوجانے کی۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

تعمیر ملت

قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات
اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار
ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع
اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور
واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی
اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔

چراغ راہ

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ
اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔
سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔
تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

طریقت توحیدیہ

یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے
تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ
کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی
مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام
اوراد و اذکار اور اعمال و اشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے
ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

حقیقت وحدت الوجود

وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔
مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان
زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔
حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقا اور ترقی کیلئے دین
کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا
اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

Website: www.toheedia.net